ISSN: 2321-8339

اکتوبر- دسمبر ۲۰۲۳ء

مؤسس: مولانا سید جلال الدین عمریؒ

ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

ڈائریاں اور کیلنڈر

2024 [۱۴۴۵/۴۶ھ]

تاجرانہ نرخ

ڈائریاں اور کیلنڈر	قیمت	ڈسکاؤنٹ %
• Shab-o-Roz Diary (English Edition)	200.00	100 تا 500 کی تعداد پر 10 فیصد
• شب وروز ڈائری [HB]	200.00	501 تا 1000 کی تعداد پر 15 فیصد
• شب وروز ڈائری [PB]	150.00	
• اسلامی ڈائری [پاکٹ سائز]	35.00	1001 تا 3000 یا اس سے زائد پر 20 فیصد
• اسلامی کیلنڈر [۳ ورقہ] دونوں جانب طباعت	25.00	500 تا 3000 کی تعداد پر 10 فیصد 3001 تا 5000 کی تعداد پر 15 فیصد 5001 تا 10000 یا اس سے زائد پر 20 فیصد

شرائط

- اسلامی کیلنڈر اور شب وروز ڈائری پر اپنے ادارے کا نام چھپوانے پر نصف ڈسکاؤنٹ دیا جائے گا۔
- شب وروز کی کم از کم تعداد 100 اور کیلنڈر کی 1000 ہونی چاہیے۔
- طے شدہ تعداد سے کم ہونے پر کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں دیا جائے گا۔

Contact No. : 7290092401, 7290092405 7290092403

MMI PUBLISHERS مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Email: info@mmipublishers.net | mmipublishers@gmail.com | **Web:** www.mmipublishers.net

Sub Depot | **Hyderabad :** 9966710339, 9491874087, 04066710339, 8520961476 | **Mumbai :** 9699167700
Goa : 9987196549 | **Bangalore :** 9036996740, 8884045708, 9964355678

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ــــــــــــــ دسمبر ۲۰۲۳ء

مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

مجلس ادارت

۱۔ پروفیسر اشتیاق احمد ظلّی، سابق ناظم دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

۲۔ پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی، سابق ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

۳۔ پروفیسر اسرار احمد خاں، شعبۂ تفسیر، انقرہ یونی ورسٹی (ترکی)

۴۔ ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، ڈین کیمبرج اسلامک کالج (برطانیہ)

۵۔ مولانا اشہد جمال ندوی، سکریٹری ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی علی گڑھ

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی **تحقیقات اسلامی** علی گڑھ

جلد:۴۲ ——— شمارہ:۴

ربیع الاول ——— جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۲۳ء

زرِتعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۷۵/روپے
سالانہ	۳۰۰/روپے
پانچ سال کے لیے	۱۲۰۰/روپے
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۴۰۰/روپے

بیرونِ ملک

سالانہ (انفرادی)	۱۰۰۰/روپے
سالانہ (ادارے)	۱۵۰۰/روپے

ایجنسی کمیشن

۵ سے ۲۰ کاپیوں تک	25%
۲۱ سے ۴۰ کاپیوں تک	30%
۴۰ سے زائد کاپیوں پر	40%

ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

ویب سائٹ
www.tahqeeqat.net

برائے ادارتی امور

ای میل:
tahqeeqat@gmail.com
mrnadvi@gmail.com

موبائل/واٹس ایپ:
+91-9582050234

برائے انتظامی امور

ای میل:
idaratahqeeq2016@gmail.com

موبائل/واٹس ایپ:
+91-9897746586
+91-7786808467

اکاؤنٹ:
Tahqeeqat-e-Islami,
Union Bank of India
Muslim University, Branch
A/C.No. 452201010029001,
IFSC: UBIN0545228

طابع وناشر اشہد جمال ندوی نے بھارت آفیسٹ، نئی دہلی سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

حرف آغاز

نکاح میں تاخیر۔اسباب اور حل — محمد رضی الاسلام ندوی — ۵

تحقیق وتنقید

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۔ فرض کفایہ یا فرض عین؟ — ڈاکٹر محی الدین غازی — ۲۱

بحث ونظر

فکری انحراف: شکلیں، اسباب اور تدارک — مولانا محمد صادر ندوی — ۵۱

کلامیات

اقبال اور جدید علم کلام۔فکر ومنہج کا تجزیاتی مطالعہ — ڈاکٹر وارث مظہری — ۷۷

تعارف وتبصرہ

اصول فقہ — مولانا محمد صادر ندوی — ۱۰۱

بین الاقوامی تعلقات اور مفکرین اسلام — مولانا محمد انس فلاحی مدنی — ۱۰۳

رپورٹ

روداد اجتماع بہ یاد مولانا محمد فاروق خاںؒ — مولانا رویدخاں فلاحی — ۱۰۵

قومی سمینار بہ عنوان 'بین مذاہب شادیاں: پس منظر اور پیش منظر — ״ ״ ״ — ۱۰۸

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۸۹) ادارہ — ۱۱۳

سالانہ فہرست سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ ۲۰۲۳ء — ۱۱۷-۱۲۰

مضامین کا انگریزی خلاصہ — ۱۲۱-۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱- ڈاکٹر محی الدین غازی

مدیر ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی وسکریٹری جماعت اسلامی ہند

mohiuddin.ghazi@gmail.com

۲- مولانا محمد صادر ندوی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

sadiralam943@gmail.com

۳- ڈاکٹر وارث مظہری

اسسٹنٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد نئی دہلی

w.mazhari@gmail.com

۴- مولانا محمد انس فلاحی مدنی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

anasfalahi@gmail.com

۵- مولانا رویدخاں فلاحی

اسکالر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

krubiad786@gmail.com

۸- محمد رضی الاسلام ندوی

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی, علی گڑھ

mrnadvi@gmail.com

نکاح میں تاخیر۔اسباب اور حل

——————— محمد رضی الاسلام ندوی

خاندانوں کے مجموعے سے سماج وجود میں آتا ہے اور خاندان کی تشکیل نکاح کے ذریعے ہوتی ہے۔اگرچہ دنیا میں ایسے انسان بھی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں جو خاندان کا انکار کرتے ہیں۔ان کے نزدیک جنس (Sex) کا جذبہ، جو ہر انسان (مرد اور عورت) میں ودیعت کیا گیا ہے، اس کی تسکین وہ کسی بھی طریقے سے کرنے کے لیے آزاد ہے، اس کے لیے نکاح کے بندھن میں بندھنا ضروری نہیں ہے۔لیکن انسانوں کی غالب اکثریت نے اس تصور کو رد کیا ہے اور خاندان کی تشکیل کو ضروری قرار دیتے ہوئے اس کے لیے نکاح کو لازم کیا ہے۔اسلام بھی خاندان کا علَم بردار ہے۔اس نے خاندان بنا کر زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے اور اس کے لیے نکاح کی صورت میں ایک اعلیٰ نظامِ عفّت وعصمت عطا کیا ہے، جس کے تحت ہر بالغ مرد اور عورت کو فطری انداز میں جنسی تسکین حاصل ہوتی ہے، وہ خواہش ومنکرات سے خود کو محفوظ رکھتے ہیں اور مل جل کر اپنے بچوں کی پرورش و پرداخت اور تعلیم وتربیت کا کام انجام دیتے ہیں۔اس طرح روئے زمین پر نوعِ انسانی کا تسلسل جاری رہتا ہے۔

نکاح کی مناسب عمر

نکاح کا مناسب وقت، ظاہر ہے، وہ ہے جب نکاح کے بندھن میں بندھنے والے اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کے قابل ہوسکیں۔نکاح کا ایک اہم مقصد توالد و تناسل ہے، جو زوجین کے درمیان جنسی تعلق (Sexual Relation) کے ذریعے انجام پاتا ہے۔اسی کام کی انجام دہی کے لیے فطرت نے مرد اور عورت کے درمیان صنفی کشش

رکھی ہے۔ مرحلۂ بلوغ میں داخل ہوتے ہی مخصوص ہارمون (Hormons) کی وجہ سے لڑکا اور لڑکی اپنے جسم میں کچھ تبدیلیاں محسوس کرتے ہیں، ان کے اعضائے جنس متحرک ہوتے ہیں اور وہ مخالف صنف کی طرف میلان محسوس کرتے ہیں۔ یہ سب قدرتِ الٰہی کی طرف سے انتظامات ہیں، جو ایک بڑے مقصد کی تکمیل کے لیے کیے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی بالغ ہونے کے بعد جنسی تعلق کے قابل ہوجاتے ہیں۔ اس مرحلے پر اس تعلق کو قانونی شکل دینے کے لیے ان کے نکاح کی فکر کی جانی چاہیے۔

انسانی تاریخ میں وقتِ نکاح کے تعلق سے مختلف سماجوں کے رویّوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس معاملے میں افراط وتفریط کا شکار رہے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں مختلف ممالک اور علاقوں میں کم سنی کا رواج رہا ہے۔ خاص طور سے لڑکیوں کا نکاح جلد، یہاں تک کہ پانچ چھ برس کی عمر میں کردیا جاتا تھا۔ یہ رواج آج بھی بہت سے سماجوں اور علاقوں میں قائم ہے۔ دیہی آبادیوں میں اب بھی مختلف اسباب سے ابتدائی عمر میں بچوں کے نکاح کو ترجیح دی جاتی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اب رفتہ رفتہ نہ صرف کم سنی کے نکاح میں کمی آرہی ہے، بلکہ نکاح میں تاخیر کے رجحان کو فروغ مل رہا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ دونوں رویّے غیر معتدل اور انسانی سماج کے لیے ضرر رساں ہیں۔

نکاح کی کم از کم عمر اور ملکی قوانین

کم سنی کے نکاح کو روکنے اور اس میں تاخیر کے رجحان کو فروغ دینے میں ملکی قوانین کا کسی قدر کردار ہے۔ انگریزی دورِ حکومت میں ۱۹۲۹ء میں Child Marriage Restraint Act کے نام سے ایک قانون منظور کیا گیا تھا، جس میں نکاح کی کم از کم عمر لڑکوں کے لیے اٹھارہ (۱۸) برس اور لڑکیوں کے لیے چودہ (۱۴) برس مقرر کی گئی تھی۔ ملک کی آزادی کے بعد ۱۹۴۹ء میں Sarda Act منظور ہوا، جس میں لڑکی کے لیے نکاح کی عمر میں ایک برس کا اضافہ کردیا گیا۔ پھر ۱۹۷۸ء میں اس قانون میں ترمیم کرکے نکاح کی کم از کم عمر لڑکے کے لیے اکیس (۲۱) برس اور لڑکی کے لیے اٹھارہ (۱۸) برس کردی گئی۔ اب حکومتِ ہند کی جانب سے پھر ایک ترمیم کی تجویز ہے، وہ یہ کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کے لیے بھی

نکاح کی کم از کم عمر اکیس (۲۱) برس کردی جائے۔ پاکستان میں ۱۹۶۱ء میں 'مسلم عائلی قوانین آرڈیننس' نافذ کیا گیا تھا، جس کی رؤ سے انگریزی دور کے قانون میں ترمیم کرتے ہوئے لڑکی کے نکاح کے لیے کم از کم عمر سولہ (۱۶) برس کردی گئی تھی۔

صحیح بات یہ ہے کہ نکاح کی کم از کم عمر متعیّن کرنے کے لیے کسی قانون کی ضرورت نہیں۔اس کے بجائے لوگوں کو اختیار دینا چاہیے کہ وہ اپنے حالات،ضروریات اور خاندانی مصالح کے مطابق جب بہتر سمجھیں ،نکاح کریں۔اس آزادی کے نتیجے میں اگر سماج میں کوئی فساد پیدا ہورہا ہو تو اس کے ازالے کے لیے قانون کا سہارا لینے کے بجائے سماج میں بیداری لانے کی تدابیر اختیار کرنی چاہیے۔[۱]

تاخیر کی شادی۔موجودہ صورتِ حال

نکاح کی کم از کم عمر کے سلسلے میں حکومت کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں تو ہیں ہی، ہندوستانی سماج میں مختلف اسباب سے خود تاخیر سے شادی کرنے کا رجحان فروغ پارہا ہے۔ C.T.Kannan نے آزادئ ملک کے پندرہ برس بعد ڈھائی سو (۲۵۰) افراد پر مشتمل ایک سروے کیا تھا، جس میں انھوں نے بتایا تھا کہ لڑکوں کی شادی کی اوسط عمر ستائیس (۲۷) برس اور لڑکیوں کی بائیس (۲۲) برس ہوگئی ہے۔[۲] یہ سروے ایک محدود نقطۂ نظر سے تھا، البتہ حکومت کی طرف سے سرکاری طور پر پورے ملک کے جو سروے ہوتے رہتے ہیں ، جن میں خاص طور پر National Family Health Survey(NFHS) اور Indian Human Development Survey(IHDS) قابلِ ذکر ہیں، ان میں دکھایا گیا ہے کہ ۰۶۔۲۰۰۵ء تک شادی کی اوسط عمر لڑکوں میں بائیس (۲۲) برس سے کچھ زائد اور لڑکیوں میں سترہ (۱۷) برس سے کچھ زائد تھی ، جب کہ ۱۶۔۲۰۱۵ء میں یہ اوسط عمر لڑکوں میں چوبیس (۲۴) برس اور لڑکیوں میں انیس (۱۹) برس ہوگئی ہے۔بعض جائزوں میں یہ نتیجہ پیش کیا گیا ہے کہ تاخیر سے شادی کا رجحان شہروں میں رہنے والوں ، مال دار اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ان کے مطابق پچیس (۲۵) سے انتیس (۲۹) برس کی درمیانی عمر میں ہونے والی شادی کو تاخیر

کی شادی مانا گیا ہے۔[۲۳] جب کہ صورتِ حال یہ ہے کہ اب بہت سی شادیاں تیس (۳۰) برس کے بعد ہونے لگی ہیں۔

نکاح میں تاخیر کے اسباب

نکاح میں تاخیر خاندانی نظام کے لیے صحت مند رجحان نہیں ہے۔ اس کے مسلم سماج پر منفی اثرات پڑ رہے ہیں اور متعدد برائیاں جنم لے رہی ہیں۔ اس لیے اس کے اسباب کا جائزہ لینا اور ان کا تدارک کرنے کی منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے۔ اس کے درج ذیل اہم اسباب بیان کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ جہیز کا لین دین

ہندوستان میں جہیز کے خلاف Dowry Prohibition Act ۱۹۶۱ء سے لاگو ہے، لیکن ورلڈ بینک کی ایک اسٹڈی، جو ۲۰۲۱ء میں شائع ہوئی تھی، اس کے مطابق جہیز کا بڑے پیمانے پر لین دین اب بھی عام ہے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے ہر سال کتنی ہی لڑکیاں مجبوراً خودکشی کر لیتی ہیں۔ جہیز اصلاً ہندو سماج کی روایت تھی کہ اس میں وراثت میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں تھا، اس لیے شادی کے موقع پر ہی انھیں کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا جاتا تھا۔ ایک ساتھ رہن سہن کے نتیجے میں یہ روایت مسلمانوں میں بھی رواج پا گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ والدین کے لیے لڑکیوں کا وجود ایک بوجھ محسوس ہونے لگا۔ جس طرح عہدِ جاہلیت میں لڑکی کی پیدائش کی خبر پا کر آدمی کے چہرے پر کلونس چھا جاتی تھی اور وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا۔ (النحل: ۵۸) اسی طرح آج کل لڑکیوں کی پیدائش سے باپ کے چہرے پر فکر کی پرچھائیاں گہری ہوتی جاتی ہیں۔ ابتدا ہی سے ان کے لیے جہیز کا انتظام کرنے کی فکر اسے ستانے لگتی ہے۔ یہ اندیشہ اس کے ذہن پر سوار رہتا ہے کہ بغیر جہیز کے لڑکی کی رخصتی سے سسرال میں اس کی قدر نہیں ہوگی، یا اسے ستایا جائے گا۔ بعض لڑکے والے تو بے شرمی کے ساتھ جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس کے بغیر شادی پر تیار نہیں ہوتے۔ اس بنا پر بہت سی لڑکیاں بیٹھی رہ جاتی ہیں اور تیاریٔ جہیز کے انتظار میں ان کی شادی میں تاخیر پر تاخیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ منظر بھوپالی نے

اس کرب کا اظہار اپنے ایک شعر میں کیا ہے ؎

باپ بوجھ ڈھوتا تھا کیا جہیز دے پاتا
اس لیے وہ شہ زادی آج تک کنواری ہے

۲۔مُسرفانہ رسوم پر عمل آوری

جلد نکاح میں رکاوٹ صرف جہیز ہی نہیں، بلکہ وہ رسمیں بھی ہیں جن کی انجام دہی شادی کے موقع پر ضروری سمجھی جاتی ہے۔ پہلے لڑکی کی تلاش میں خوب دعوتیں اڑائی جاتی ہیں، پھر جب کہیں رشتہ طے کرنے کی نوبت آتی ہے تو مُسرفانہ رسوم کا لا متناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے۔منگنی کے موقع پر منعقد ہونے والی تقریب نکاح کی تقریب سے بس تھوڑی ہی مختصر ہوتی ہے۔ باراتیوں کی لمبی فہرست تیار کی جاتی ہے اور لڑکی والوں کو تاکید کی جاتی ہے کہ ان کی خاطر و مدارت میں ذرا بھی کوتاہی نہ ہونے پائے۔کچھ لڑکی والے خود ہی بڑی بارات کا مطالبہ کرتے ہیں، تاکہ ان کے نام ونمود میں اضافہ ہو۔ دونوں طرف کے قریبی رشتے داروں کے لیے جوڑے تیار کیے جاتے ہیں۔غرض نکاح کی بہت سی مُسرفانہ رسوم ایجاد کرلی گئی ہیں، جن پر بہت سختی سے عمل کیا جاتا ہے اور ان میں سے کسی کو ترک کرنے سے رشتوں میں بگاڑ کی نوبت آجاتی ہے۔اس وجہ سے بھی بہت سے لوگ اپنی لڑکیوں کا جلد نکاح نہیں کرپاتے اور بے جا رسوم پر عمل آوری کے لیے خطیر سرمایہ کی فراہمی نکاح میں تاخیر کا باعث بنتی ہے۔

۳۔ برادری واد

نکاح میں ایک رکاوٹ سماجی اعتبار سے انسانوں میں تفاوت اور اونچ نیچ کا تصوّر ہے۔ کچھ ذاتوں اور برادریوں کو برتر اور کچھ کو کم تر سمجھ لیا گیا ہے۔برتر ذات برادری والے اپنے سے کم تر میں شادی پر تیار نہیں ہوتے ۔ یہ منفی رجحان مسلمانوں میں بھی سرایت کرگیا ہے۔ نکاح کے معاملے میں فقہاء کے یہاں ایک بحث 'کفو' کی ملتی ہے۔اس کا مطلب سادہ لفظوں میں یہ تھا کہ زوجین سماجی اعتبار سے ہم پلّہ ہوں، تاکہ ان کے درمیان خوش گوار تعلقات قائم رہیں، لیکن اسے ذات برادری کے برتر یا کم تر

ہونے سے جوڑ دیا گیا ہے۔لڑکی کے نکاح میں تاخیر ہو، یا وہ بیٹھی رہ جائے، یہ تو گوارا کرلیا جاتا ہے، لیکن دوسری برادری میں، جس کی سماجی حیثیت کم تر ہو، اس کا نکاح کردینے پر آمادگی نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس میں اپنی رسوائی نظر آتی ہے۔

۴۔اونچا معیار

بسا اوقات اپنے عزیزوں کے نکاح کے لیے اونچے خواب سجائے جاتے ہیں۔ لڑکی ہے تو اس کے لیے ایسے نوجوان کو تلاش کیا جاتا ہے جو اچھی ملازمت، باوقار عہدہ یا کام یاب تجارت کا مالک ہو۔لڑکا ہے تو اس کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ، پیشہ وَر اور ملازمت کرنے والی لڑکی ڈھونڈھی جاتی ہے اور یہ بھی خواہش رکھی جاتی ہے کہ وہ حسن و جمال میں کسی حُور پَری سے کم نہ ہو۔حقیقت کی دنیا میں ہر ایک کے خواب کا شرمندۂ تعبیر ہونا ممکن نہیں ہوتا، چنانچہ سراب کے پیچھے بھاگنا ایسے لوگوں کا مقدّر ٹھہرتا ہے۔ پھر یا تو ان کی شادی بہت تاخیر سے ہو پاتی ہے، یا پوری زندگی حسرت سے ہاتھ ملتے ہوئے گزرتی ہے۔

۵۔اعلیٰ تعلیم کا حصول

اب یہ تصوّر عام ہونے لگا ہے کہ تعلیم کے دوران میں شادی کرنے سے دو میں سے کسی ایک کی قربانی دینی پڑے گی: یا تو تعلیم میں انہماک باقی نہیں رہے گا، یا ازدواجی حقوق صحیح طریقے سے ادا نہیں کیے جاسکتے۔ اِدھر کچھ عرصے سے مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم کا رجحان پیدا ہوا ہے اور نہ صرف لڑکے، بلکہ لڑکیاں بھی عصری تعلیم کے میدان میں آگے بڑھ رہی ہیں۔ یہ حضرات سائنس، ٹکنالوجی، انجینئرنگ، میڈیسن، انفارمیشن ٹکنالوجی اور دیگر جدید علوم حاصل کررہے ہیں۔علمی میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں اور بڑی بڑی کمپنیوں اور اداروں میں باوقار عہدوں پر فائز ہورہے ہیں، لیکن اس کا تشویش ناک پہلو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے ان کی شادیوں میں تاخیر ہورہی ہے۔ایک کورس کے بعد دوسرا کورس کرنے، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ملازمت تلاش کرنے اور کم تر ملازمت کے بعد بہتر ملازمت حاصل کرنے، یا میدانِ تجارت میں اترنے اور کاروبار بڑھانے کی جدّ و جہد میں وہ اتنا زیادہ منہمک رہتے ہیں کہ انھیں خیال بھی نہیں گزرتا کہ

اس کی وجہ سے ان کی شادی کی عمر نکل رہی ہے۔

نکاح میں تاخیر کے بُرے اثرات ونتائج

کوئی کام جب صحیح وقت پر انجام نہیں دیا جاتا تو اس میں فساد پیدا ہونے لگتا ہے اور اس کے بُرے اثرات وعواقب ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یہی معاملہ نکاح میں تاخیر کا ہے۔ اگر نکاح وقت پر ہو تو زوجین ازدواجی زندگی کا پورا لطف اٹھاتے ہیں، افرادِ خاندان کے درمیان خوش گوار تعلقات استوار رہتے ہیں اور سماج پر بھی اس کے مثبت اثرات مرتّب ہوتے ہیں، لیکن اگر نکاح میں تاخیر ایک سماجی رویّہ بننے لگے تو اس کے منفی اثرات متعدّی ہونے لگتے ہیں اور متعدد برائیاں سماج کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ ذیل میں چند منفی اثرات کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

۱۔ جنسی بے راہ روی اور بدکاری

بلوغت کے بعد ہر نوجوان لڑکے اور لڑکی میں جنس (Sex) کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہ جلد از جلد اس کی تسکین چاہتا ہے۔ نکاح میں کسی قدر تاخیر ہو تو اس جذبہ کو قابو میں رکھنا ممکن ہوتا ہے، لیکن زیادہ تاخیر ہو تو اسے دبانا ممکن نہیں ہوتا۔ اس کی مثال اس ندی نالے سے دی جاسکتی ہے، جس میں پانی کا بہاؤ تیز نہ ہو تو اس پر روک لگائی جاسکتی ہے، لیکن تیز بہنے والے دھارے پر بند ھ لگانا آسان نہیں ہوتا۔ تعلیم گاہوں اور ملازمت کی جگہوں میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط پایا جاتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ ساتھ میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران تنہائی کے مواقع بھی فراہم رہتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں اگر نکاح کے ذریعے جنسی تسکین کی سہولت حاصل نہ ہو تو بہکنے، بے راہ روی کا شکار ہونے اور بدکاری میں مبتلا ہونے کا زیادہ امکان رہتا ہے۔ یہ چیز انسانی سماج کے لیے تباہ کن ہے اور اسلام بھی اس کو حرام قرار دیتا ہے۔

۲۔ لِیو اِن ریلیشن شِپ

موجودہ زمانے میں جنسی بے راہ روی کی ایک نئی قسم وجود میں آگئی ہے، جسے Live In Relationship کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی مرد اور عورت کا نکاح

کے بغیر ایک ساتھ رہتے ہوئے زندگی گزارنا۔ یہ رہن سہن چند روزہ ہوسکتا ہے اور مستقل بھی۔ اس دوران جنسی تعلق قائم رہتا ہے، جس کے نتیجے میں بچے بھی ہوجاتے ہیں، لیکن باقاعدہ نکاح نہ ہونے کی وجہ سے قانونی بندشیں نہیں ہوتیں اور وہ جب چاہیں، ایک دوسرے سے الگ ہوسکتے ہیں۔ لِیو اِن ریلیشن شپ اب پوری دنیا میں عام ہے۔ ہندوستان میں بھی یہ رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے اور یہاں کی عدالتیں اسے قانونی جواز فراہم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ بعض رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ جو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے میٹرو شہروں میں رہتے ہیں اور ان کی شادیاں وقت پر نہیں ہو پاتیں وہ لیو اِن ریلیشن شِپ کی طرف مائل ہوجاتے ہیں۔[۴]

۳۔ بچوں کی شرحِ پیدائش میں کمی

نکاح میں تاخیر کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ استقرارِ حمل کی شرح (Fertility Rate) اور بچوں کی شرحِ پیدائش (Birth Rate) میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔ بڑھتی عمر کے ساتھ کبھی مرد کے مادۂ تولید میں حیواناتِ منویہ (Spermatozoa) کا تناسب کم اور ان کی حرکت کم زور ہوجاتی ہے۔ کبھی عورت کے خصیۃ الرحم (Ovary) میں گلٹی (Cyst) بن جاتی ہے، جس کے سبب اس سے بیضہ (Ovum) کا اخراج نہیں ہوتا۔ اس بنا پر استقرارِ حمل نہیں ہو پاتا۔ بعض دیگر عوارض، مثلاً دورانِ حمل عورت کو تکلیف، اسقاط (Abortion)، جنین میں خِلقی نقائص پیدا ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔[۵] یہ صورت حال انسانی المیہ کو جنم دیتی ہے۔ اس سے ملک کی آبادی متاثر ہوتی ہے اور شہریوں کی صحت پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔

۴۔ بین مذہبی شادیاں

گزشتہ کچھ عرصے میں ملک میں بین مذہبی شادیوں کو فروغ ملا ہے۔ مسلم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے دیگر مذاہب کی لڑکیوں اور لڑکوں کے ساتھ شادی کے واقعات کو میڈیا نے نمایاں کیا ہے۔ ان واقعات کا تفصیلی جائزہ لینے پر جہاں اس کے مختلف اسباب سامنے آئے ہیں، وہیں اس کا ایک سبب شادی میں تاخیر ہے۔ ایک طرف

بَر وقت مناسب رشتے نہیں مل پاتے، جس کی وجہ سے شادی میں تاخیر ہوتی چلی جاتی ہے، دوسری طرف تعلیم گاہوں اور ملازمت کی جگہوں کا کھلا ماحول صنفی کشش پیدا کرتا ہے، چنانچہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مذہب کی پروا کیے بغیر کسی کے ساتھ بھی شادی کے لیے آمادہ ہوجاتے ہیں۔

قرآن مجید میں بین مذہبی شادیوں کو صراحت سے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ (البقرۃ:۲۲۱) اسلام عقیدہ کی درستی پر زور دیتا ہے۔اس کے نزدیک اگر مرد اور عورت کے درمیان میں عقیدہ کا اختلاف پایا جاتا ہو تو ان کی ازدواجی زندگی کامیاب نہیں ہوسکتی۔

اسلام کا نقطۂ نظر

اسلامی نقطۂ نظر سے لڑکے یا لڑکی کے نکاح کا بہترین وقت وہ ہے جب وہ بالغ ہوجائیں اور نکاح کی ذمے داریاں ادا کرنے کے قابل ہوجائیں۔ اگرچہ بعض مخصوص حالات میں بلوغت سے قبل نکاح کی گنجائش ہے، لیکن پسندیدہ نکاح وہی ہے جو بلوغت کے بعد انجام پائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

> يَا مَعشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ استَطَاعَ مِنكُمُ البَاءَةَ فَليَتَزَوَّج، فَإنَّه أَغَضُّ لِلبَصَرِ وَاَحصَنُ لِلفَرجِ [۶]
>
> ''اے نوجوانو کے گروہ! تم میں سے جو نکاح کی ذمہ داری اٹھا سکتا ہو اسے ضرور نکاح کرلینا چاہیے۔اس لیے کہ وہ نگاہ کو پست اور شرم گاہ کو محفوظ رکھنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔''

اس حدیث میں 'شباب' کا لفظ آیا ہے، جو 'شاب' (نوجوان) کی جمع ہے۔امام نوویؒ نے لکھا ہے:

> الأَصَحُّ المَختَارُ أَنَّ الشَّابَّ مَن بَلَغَ وَلَم يُجَاوِز الثَّلاثِينَ [۷]
>
> ''زیادہ صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ 'شاب' بالغ ہونے کے بعد سے تیس (۳۰) برس تک کے شخص کو کہا جاتا ہے۔''

اسلام نے نکاح کی کوئی حد یا عمر متعین نہیں کی ہے، اس لیے کہ نوجوان لڑکوں،

لڑکیوں اوران کے سرپرستوں کے حالات اورضروریات مختلف ہوسکتی ہیں،لیکن وہ چاہتا ہے کہ بلوغت کے بعد غیرضروری تاخیر نہ کی جائے اور جتنی جلد ممکن ہو،اس فریضے سے سبک دوشی حاصل کرلی جائے۔

تاخیر کے اسباب کا ازالہ کیسے؟

گزشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نکاح میں تاخیر سے متعدد سماجی اورنفسیاتی برائیاں جنم لیتی ہیں اورفساد پیدا ہوتا ہے، اس لیے سماج کے باشعوراور سنجیدہ افراد کی ذمے داری ہے کہ اس کے اسباب پر قدغن لگانے کی تدابیر اختیار کریں۔اس سلسلے میں چند تدابیر کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

ا۔سادگی سے تقریبِ نکاح کی انجام دہی

مال و دولت کی فراوانی انسان کو نام ونمود کی خاطر فضول خرچی کی طرف مائل کردیتی ہے۔ وہ بلاضرورت خوب لٹاتا ہے، جس سے اس کے نفس کوتسکین ملتی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مال خرچ کرنے کے معاملے میں آدمی میانہ روی اختیار کرے۔ قرآن مجید میں ایسے اہلِ ایمان کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے جو انفاق کرتے ہوئے درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً (الفرقان:٦٧)

''اور جولوگ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔''

مال میں رشتے داروں،مسکینوں اور مسافروں کا حق بتاتے ہوئے فضول خرچی سے سختی سے روکا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيْراً، إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْاْ إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوراً (الاسراء:٢٧)

''فضول خرچی نہ کرو،فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں۔''

پہلی آیت میں 'اسراف' کا لفظ آیا ہے اور دوسری آیت میں تبذیر کا۔ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جہاں مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو، وہاں آدمی ضرورت سے زیادہ خرچ کرے، اسے 'اسراف' کہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنے کی مطلق ضرورت نہ ہو وہاں خرچ کرنے پر تبذیر کا اطلاق ہوتا ہے۔ ۸

اسلام میں نکاح کو بہت سادگی سے انجام دینے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ أعظَمَ النِّکاحِ بَرَکَۃً أیسَرُہُ مَؤُنَۃً ۹

''سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس کے مصارف سب سے کم ہوں۔''

نکاح کے انعقاد کو بہت آسان بنایا گیا ہے۔ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے نکاح ہوجاتا ہے۔ مہر کو لازم کیا گیا ہے، لیکن بہت زیادہ مہر طے کرنے کو پسند نہیں کیا گیا ہے۔ نکاح کے بعد ولیمہ کو مسنون قرار دیا گیا ہے، لیکن اس میں فضول خرچی اور نام ونمود سے منع کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے آسان نکاح کی ترغیب وتلقین کے ساتھ ایسے عملی اقدامات کیے جن سے آسان نکاح کو فروغ ملا۔ اس سلسلے میں کتبِ سیرت میں بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپؐ ایک مجلس میں موجود تھے۔ ایک عورت نے آکر نکاح کی خواہش کی۔ اسی مجلس میں موجود ایک شخص نے رضا مندی ظاہر کی۔ وہ شخص بہت غریب تھا، یہاں تک کہ اس کے پاس مہر دینے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا، پھر بھی آپؐ نے ان دونوں کا نکاح کروا دیا اور فرمایا: ''تمھیں جو قرآن یاد ہے وہ اپنی بیوی کو بھی یاد کرادو۔ یہی اس کا مہر ہے۔'' ۱۰

۲۔ برادری واد کا خاتمہ

ہندوستانی سماج میں برادری واد کی جڑ بہت گہری ہیں۔ نکاح کے موقع پر اس کا مظاہرہ کھل کر ہوتا ہے۔ نام نہاد اونچی برادری والے اپنے سے نچلی برادری میں نکاح کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ یہ رویّہ سراسر غیر اسلامی اور جاہلی ہے۔ امت کے باشعور لوگوں کو اس کی مذمت کرنی چاہیے اور اس کے خلاف تحریک چلانی چاہیے۔ نکاح

طے کرتے وقت زوجین کے درمیان ہم آہنگی کے پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور انھیں اہمیت دینی چاہیے، اس لیے کہ اس سے ازدواجی تعلق میں پائیداری آئے گی، لیکن اس کا ذات برادری سے دوٗر کا بھی تعلق نہیں ہے۔ عربوں میں قبائلی عصبیت بہت زیادہ پائی جاتی تھی۔ کچھ قبائل کو اعلیٰ اور کچھ کو ادنیٰ سمجھا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس عصبیتِ جاہلیہ کا خاتمہ کردیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: ''میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ میری عدّت پوری ہوتے ہی میرے پاس کچھ لوگوں کے رشتے آگئے ہیں۔ میں ان میں سے کس کے ساتھ نکاح کروں؟ یہ مشورہ کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ آپؐ نے جواب دیا: ''میں تمھارے سامنے ایک اور رشتہ پیش کرتا ہوں۔ اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کرلو۔'' حضرت فاطمہؓ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنی فہر سے تھا، جب کہ حضرت اسامہؓ آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے بیٹے تھے۔ عربوں کی اس زمانے کی سماجی روایات کے اعتبار سے دونوں کے درمیان جوڑ نہ تھا، لیکن حضرت فاطمہؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کے مشورے پر نکاح کرلیا اور خوش گوار ازدواجی زندگی گزاری۔ انھوں نے خود بیان کیا ہے:

فَنَكَحْتُهُ فَجَعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيراً وَاغْتُبِطْتُ بِهِ [11]

''میں نے یہ نکاح کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر کا معاملہ فرمایا اور میں نے قابلِ رشک زندگی گزاری۔''

۳۔ اعلیٰ تعلیم نکاح میں رکاوٹ نہ بنے

اعلیٰ تعلیم ضروری ہے، لڑکوں کے لیے اور لڑکیوں کے لیے بھی، لیکن اس کی وجہ سے نکاح کو مؤخر کرنا درست نہیں ہے۔ ایسی منصوبہ بندی کی جائے کہ نکاح وقت پر ہو اور اس کے بعد بھی تعلیم جاری رہے۔

اس کا امکان ہے کہ کوئی مناسب رشتہ مل گیا ہو، لیکن لڑکا ابھی زیرِ تعلیم ہو، اسی

طرح لڑکی بھی تعلیم حاصل کر رہی ہو۔اس صورت میں دونوں خاندانوں والے اس بات پر اتفاق کر سکتے ہیں کہ لڑکے کی تعلیم کا خرچ یا بنیادی مصارف اس کے سرپرست برداشت کریں اور لڑکی کے تعلیمی اخراجات اس کے سرپرست اٹھائیں۔

آج کل انٹرنیٹ کی وجہ سے آن لائن مال کمانے کے بے شمار ذرائع پیدا ہوگئے ہیں۔نوجوان دورانِ تعلیم ان ذرائع کو اختیار کر کے خاصا کما سکتے ہیں اور اپنے والدین کا تعاون کرنے کے ساتھ اپنی مالی ضروریات بھی پوری کر سکتے ہیں۔[۱۲]

۴۔غربت کی وجہ سے تاخیر نہ کی جائے

نکاح میں تاخیر کا ایک اہم سبب غربت ہوتی ہے۔مال و دولت کی فراوانی نہ ہو تو لڑکے کے سرپرست جلد نکاح کی ہمت نہیں جٹا پاتے اور لڑکی کے سرپرست بھی اندیشوں کا شکار رہتے ہیں کہ اگر انھوں نے اپنی لڑکی کا نکاح کسی مالی حیثیت سے کم تر شخص سے کر دیا تو وہ اسے خوش نہیں رکھ پائے گا۔قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کیا جائے۔رزق کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔وہ جس کو چاہے جتنا نواز دے۔اس لیے غربت کی وجہ سے نکاح کو نہیں ٹالنا چاہیے۔قرآن مجید میں ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ (النور:۳۲)

''اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں ان کے نکاح کر دو۔''

'ایامیٰ' ایم کی جمع ہے۔اس سے مراد وہ شخص ہے جو بے جوڑے کے ہو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، نوجوان لڑکا ہو یا لڑکی، ابھی نکاح نہ ہوا ہو یا ہونے کے بعد طلاق ہوگئی ہو یا عورت بیوہ ہوگئی ہو۔قرآن کا حکم ہے کہ سماج میں کوئی شخص بے جوڑے کے نہ رہے۔وہ خود نکاح کی فکر کرے اور دوسرے اس کا تعاون کریں۔اسی آیت میں آگے ہے:

إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (النور:۳۲)

''اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے:

''زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ نہیں کیا ہے کہ جو شخص نکاح کرے گا اللہ اسے مال دار کردے گا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمھیں نکاح کا پیغام دے، یا جس کا تم نکاح کرنا چاہتے ہو، اس کے فقر کو نہ دیکھو، اس لیے کہ اللہ اسے اپنے فضل سے مال دار کرسکتا ہے۔ مال آنے جانے والی چیز ہے، لہٰذا فقر میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نکاح کی خواہش میں رکاوٹ ہو۔'' ۱۳

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

''اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس کا بھی نکاح ہوجائے گا اللہ اس کو مال دار بنادے گا، بلکہ مدّعا یہ ہے کہ لوگ اس معاملے میں بہت زیادہ حسابی بن کر نہ رہ جائیں۔ اس میں لڑکی والوں کے لیے بھی ہدایت ہے کہ نیک اور شریف آدمی اگر ان کے ہاں پیغام دے تو محض اس کی غربت کو دیکھ کر انکار نہ کردیں۔ لڑکے والوں کو بھی تلقین ہے کہ کسی نوجوان کو محض اس لیے نہ بٹھا رکھیں کہ ابھی وہ بہت نہیں کما رہا ہے۔ اور نوجوانوں کو بھی نصیحت ہے کہ زیادہ کشائش کے انتظار میں اپنی شادی کے معاملے کو خواہ مخواہ نہ ٹالتے رہیں۔ تھوڑی آمدنی بھی ہو تو اللہ کے بھروسے پر شادی کر ڈالنی چاہیے۔ بسا اوقات خود شادی ہی آدمی کے حالات درست ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ بیوی کی مدد سے اخراجات قابو میں آجاتے ہیں۔ ذمہ داریاں سر آجانے کے بعد آدمی خود بھی پہلے سے زیادہ محنت اور کوشش کرنے لگتا ہے۔ بیوی معاش کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹا سکتی ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ مستقبل میں کس کے لیے کیا لکھا ہے، اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ اچھے حالات بُرے حالات میں بھی بدل سکتے ہیں اور بُرے حالات اچھے حالات میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آدمی کو ضرورت سے زیادہ حساب لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔'' ۱۴

یہی بات ایک حدیث میں کہی گئی ہے کہ جو شخص پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے نکاح کرنا چاہتا ہے، اگر اس کے اسباب فراہم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثَلاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمْ: الْمَجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰه، وَالمَكَاتَبُ الّذِي يُرِيدُ الأَدَاءَ ، وَالنَّاكِحُ الّذِي يُرِيدُ العَفَافَ [۱۵]

''تین لوگوں کی اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرے گا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، وہ غلام جو رقم ادا کرکے آزاد ہونا چاہتا ہو، عفّت کی زندگی گزارنے کے لیے نکاح کا ارادہ کرنے والا۔''

اس حدیث میں جن تین افراد کا تذکرہ ہے وہ اپنی ضروریات کے لیے مال کے محتاج ہیں: ایک شخص جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہے، لیکن اس کے پاس سواری، اسلحہ اور دیگر ضروری چیزیں نہیں ہیں، ایک شخص غلامی کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اپنے مالک کو زرِ مکاتبت ادا کرکے آزادی حاصل کرلے، ایک شخص گناہ سے بچنے کے لیے نکاح کے بندھن میں بندھنا چاہتا ہے، لیکن فقر سے دوچار ہے۔اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مدد اپنے ذمے لے رکھی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے نکاح میں تاخیر پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لیے لڑکوں اور لڑکیوں کے بالغ ہونے کے بعد ان کے سرپرستوں کو ان کے نکاح کی جلد فکر کرنی چاہیے، جن اسباب سے عموماً نکاح میں تاخیر ہوتی ہے ان کو دوٗر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور بے جا اندیشوں کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد کرے گا اور حالات کو سازگار کردے گا۔

حواشی ومراجع

۱۔ شادی کی کم از کم عمر کے سلسلے میں حکومتی قوانین کی خامیوں اور نقصانات پر تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں راقم کا مقالہ: کم سنی کی شادی۔اسلام کا نقطۂ نظر، شائع شدہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اپریل۔جون ۲۰۲۳ء

2- C.T.KannanmIntercast and Inter-CommunityMarraiges in India,Allied Publishers ,Bombay ,1963

3- Baishali GoswamimAn Investigation into The Pattern of Delayed Marriage in India,The Institute for Social and

Economic Change Bangalore,ISBN 978-81-7791-131-2

۴۔ لیو اِن ریلیشن شِپ کی قباحتوں اوراس کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کے بارے میں تفصیل سے جاننے کیے لیے ملاحظہ کیجیے راقم سطور کا مقالہ: نکاح کے بغیر جنسی تعلق ۔نظامِ خاندان کی تباہی، شائع شدہ: سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، اکتوبر۔ دسمبر۲۰۱۳ء، جو اب کتاب: اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی میں شامل ہے۔

۵۔ سماجی موضوعات پر لکھنے والوں نے اس پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ملاحظہ کیجیے:

Dr.Nidhi Tyagi and Others,Changing Structure of Marriage and Fertility in 21st Century (with reference to Indian Soiety), Journal of Positive School Psychology, 2022, Vol.6, No.3, 9142-9152

Aleyna Hatice Gundogdu, The Positive and Nigative Effects of Late Marriage,Sefa Bulut,Turkey,Open Journal of Depression ,Vol.11,No.4,Nov.2022

۶۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم، :۵۰۶۶، مسلم: ۱۴۰۰

۷۔ نووی، شرح صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ، ۱۴۰۰

۸۔ ابوعبداللہ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۶، ۶۴/۱۳

۹۔ مسند احمد، مسند عائشہ، ۲۴۵۲۹

۱۰۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراءۃ عن ظھر القلب، ۵۰۳۰، مسلم: ۱۴۲۵

۱۱۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ ثلاثاً لا نفقۃ لھا، ۱۴۸۰

۱۲۔ اس موضوع پر کسی قدر تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے راقم کا مضمون: خود کفالتی۔نوجوانوں کے مسائل کا حل، ماہ نامہ زندگی نو، نئی دہلی، اگست ۲۰۱۹ء

۱۳۔ فخر الدین رازی، مفاتیح الغیب، المعروف بہ التفسیر الکبیر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۸۱ء، جزء۲۳، ص۲۱۵

۱۴۔ تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، طبع ۲۰۰۹، جلد سوم، ص ۳۹۸

۱۵۔ جامع ترمذی، ابواب فضائل الجہاد عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی المجاہد والناکح والمکاتب وعون اللہ ایاھم، ۱۶۵۵، نسائی: ۳۲۱۸، ابن ماجہ: ۲۵۱۸

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۔فرض کفایہ یا فرض عین؟

اسلامی روایت کا جائزہ

ڈاکٹر محی الدین غازی

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی دین میں بہت زیادہ اہمیت ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے۔لیکن اس میں اختلاف ملتا ہے کہ وہ امت کے تمام افراد پر فرض ہے یا کچھ خاص افراد پر، نیز دونوں ہی صورتوں میں وہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ۔

یہ کام فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہوئے دینی لٹریچر میں بعض قابل توجہ باتیں سامنے آئیں۔راقم کا خیال ہے کہ اس موضوع پر تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے ان پہلوؤں کو سامنے رکھنا مفید ہوگا۔

بہت اہم ہونے کے باوجود فرض کفایہ

تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اکابر علمائے اسلام ایک طرف تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو نہایت اہم اور ضروری کام قرار دیتے ہیں اور دین میں اس کا بہت بڑا اور بنیادی مقام بتاتے ہیں، پھر وہ اسے فرض کفایہ کہہ کر اس کی اہمیت کو گھٹا دیتے ہیں۔

امام ابو زکریا محی الدین النووی (م ۶۷۶ھ) اسے اسلام کی عظیم ترین بنیاد قرار دیتے ہیں اور اسے فرض کفایہ بھی بتاتے ہیں:

الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ فَرْضُ كِفَايَةٍ بِإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ، وَهُوَ مِنْ أَعْظَمِ قَوَاعِدِ الْإِسْلَامِ۔ [1]

''امت کا اجماع ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے، اور وہ اسلام کی عظیم ترین بنیادوں میں سے ہے۔''

ایک اور جگہ وہ اسے فرض کفایہ قرار دیتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس امر میں شدید کوتاہی ہو رہی ہے اور اس کے سنگین نتائج ہو سکتے ہیں:

ثُمَّ إِنَّ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَرْضُ كِفَايَةٍ إِذَا قَامَ بِهِ بَعْضُ النَّاسِ سَقَطَ الْحَرَجُ عَنِ الْبَاقِينَ وَإِذَا تَرَكَهُ الْجَمِيعُ أَثِمَ كُلُّ مَنْ تَمَكَّنَ مِنْهُ بِلَا عُذْرٍ وَلَا خَوْفٍ۔ [۲]

''امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ جب کچھ لوگ اسے انجام دے لیں تو باقی لوگوں سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے اور اگر سب چھوڑ دیں تو سب لوگ گناہ گار ہوں گے جنہیں اس کی قدرت حاصل تھی اور کوئی عذر یا خوف نہ تھا۔''

آگے لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ هَذَا الْبَابَ أَعْنِي بَابَ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ قَدْ ضُيِّعَ أَكْثَرُهُ مِنْ أَزْمَانٍ مُتَطَاوِلَةٍ وَلَمْ يَبْقَ مِنْهُ فِي هَذِهِ الْأَزْمَانِ إِلَّا رُسُومٌ قَلِيلَةٌ جِدًّا وَهُوَ بَابٌ عَظِيمٌ بِهِ قِوَامُ الأمر وملاكة۔ [۳]

''جان لو کہ یہ باب یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بیش تر حصہ ضائع کر دیا گیا ہے طویل زمانے سے اور اس زمانے میں اس میں سے کچھ نہیں بچا، سوائے کچھ بہت کم رسمی کاموں کے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ عظیم باب ہے اسی سے دین کا قیام اور بقا ہے۔''

امام أبو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ) نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت پر جتنی زوردار گفتگو کی ہے، شاید ہی کسی نے کی ہو۔ لکھتے ہیں:

فإن الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ هُوَ الْقُطْبُ الأعظم فی الدین، وهو المهم الذی ابتعث الله له النبیین، أجمعین ولو طوی بساطه وأهمل علمه وعمله لتعطلت النبوة واضمحلت الدیانة وعمّت الفترة وفشت الضلالة وشاعت الجهالة واستشری الفساد واتسع الخرق وخربت البلاد

وهلک العباد ولم یشعروا بالهلاک إلا یوم التناد، وقد کان الذی خفنا أن یکون فإنا لله وإنا إلیه راجعون إذ قد اندرس من هذا القطب عمله وعلمه وانمحق بالکلیة حقیقته ورسمه فاستولت علی القلوب مداهنة الخلق وانمحت عنها مراقبة الخالق واسترسل النَّاسُ فِی اتِّبَاعِ الْهَوَی وَالشَّهَوَاتِ اسْتِرْسَالَ الْبَهَائِمِ وعزّ عَلَی بِسَاطِ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ صَادِقٌ لَا تَأْخُذُهُ فی الله لومة لائم، فمن سعی فی تلافی هذه الفترة وسدّ هذه الثلمة إما متکفلاً بعملها أو متقلداً لتنفیذها مجدداً لهذه السنة الداثرة ناهضاً بأعبائها ومتشمراً فی إحیائها کان مستأثراً من بین الخلق بإحیاء سنة أفضی الزمان إلی إماتتها ومستبداً بقربة تتضائل درجات القرب دون ذروتها۔[۴]

''امر بالمعروف ونہی عن المنکر تو دین میں قطب اعظم ہے۔ یہ وہ اہم مقصد ہے جس کے لیے اللہ نے تمام نبیوں کو بھیجا۔ اگر اس کی بساط لپیٹ دی جائے اور اس کے علم وعمل سے لاپروائی برتی جائے تو کارِ نبوت کم زور ہوجائے، دین داری مضمحل ہوجائے، بے عملی پھیل جائے، گم راہی عام ہوجائے، جہالت کا دور دورہ ہو، بگاڑ ہر طرف سرایت کرجائے، رخنے بڑے ہوجائیں، بندے ہلاک ہوجائیں اور انہیں ہلاکت کا احساس ابھی نہیں بلکہ چیخ پکار کے دن ہوگا۔ ہمیں جس چیز کا اندیشہ تھا وہی ہوا۔ إنا لله وإنا إلیه راجعون۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ اس قطب کا علم اور عمل دونوں پیوند خاک ہوگئے اور اس کی حقیقت وصورت کل کی کل مٹ گئی، انجام کار دلوں پر خلق کی مداہنت غالب آگئی اور خالق کی نگرانی کا احساس زائل ہوگیا، لوگ خواہشات کی پیروی میں جانوروں کی طرح آزاد ہوتے گئے، زمین کی بساط پر سچے مومن نایاب ہوگئے، جو اللہ کی راہ میں کسی کی ملامت کی پروانہ کریں، تو جو اس شگاف کو بھرنے کی اور اس غفلت کو دور کرنے کی کوشش کرے گا، خواہ وہ خود عمل کرنے کا تہیہ کرے، یا نفاذ کی ذمے داری اپنے سر لے لے، وہ اس پریشاں حال سنت کی تجدید کرنے والا، اس کی بھاری ذمے داریوں کو اٹھانے والا اور اسے زندہ کرنے کا عزم کرنے والا

بن جائے گا، ایسا خوش نصیب شخص خلق خدا کے درمیان تنہا اس سنت کو زندہ کرنے والا ہوگا جسے زمانے نے موت کی آغوش میں پہنچادیا، وہ اس عبادت پر تنہا قابض ہوجائے گا جس کی بلندی کے سامنے تمام عبادتوں کے رتبے دھندلے ہوجاتے ہیں۔''

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت وضرورت پر اس قدر زبردست گفتگو کے بعد اور اسے دین کا قطب اعظم قرار دینے کے بعد اور یہ بھی تسلیم کرتے ہوئے کہ آیت میں حصر ہے اور فلاح کے سزاوار وہی لوگ ہوں گے جو یہ کام کریں گے، جب وہ اسے فرض عین کے بجائے فرض کفایہ کہتے ہیں تو بہت زیادہ تعجب ہوتا ہے:

فقوله تعالى (وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ المفلحون) فَفِي الْآيَةِ بَيَانُ الْإِيجَابِ فَإِنَّ قَوْلَهُ تَعَالَى (وَلْتَكُنْ) أَمْرٌ وَظَاهِرُ الْأَمْرِ الْإِيجَابُ وَفِيهَا بَيَانُ أن الفلاح منوط به إذ حصر وقال (وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) وَفِيهَا بَيَانُ أَنَّهُ فَرْضُ كِفَايَةٍ لَا فَرْضُ عَيْنٍ وَأَنَّهُ إِذَا قَامَ به أمة سقط الفرض عن الآخرين إذ لم يقل كونوا كلّكم آمرين بالمعروف بل قال (ولتكن منكم أمة) فإذا مهما قام به واحد أو جماعة سقط الحرج عن الآخرين واختصّ الفلاح بالقائمين به المباشرين، وإن تقاعد عنه الخلق أجمعون عمّ الحرج كافة القادرين عليه لا محالة۔ ۵

اس آیت (آل عمران: ۱۰۴) میں ایجاب کا بیان ہے، ارشاد باری وَلْتَكُنْ امر ہے اور امر کا ظاہری منشا ایجاب ہوتا ہے، اور اس میں یہ بیان بھی ہے کہ فلاح اسی سے جڑی ہوئی ہے، کیوں کہ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ میں حصر ہے، اور اس میں یہ بیان بھی ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں ہے۔ اگر ایک گروہ اسے انجام دے تو دوسروں سے یہ فرض ساقط ہوجائے گا، کیوں کہ یہ نہیں کہا کہ سب لوگ امر بالمعروف کرنے والے بن جاؤ، بلکہ کہا تم میں سے ایک امت ایسی ہو، تو اگر اسے کوئی ایک کرے یا کوئی گروہ کرے تو گناہ دوسروں سے ساقط

ہوجائے گا اور فلاح خاص رہے گی ان کے ساتھ جو آگے بڑھ کر اسے راست انجام دیں گے، اور اگر پوری خلقت اسے چھوڑ بیٹھے تو گناہ لازمًا ان تمام کو ہوگا جو اس کی قدرت رکھتے تھے۔''

علامہ شمس الدین القرطبی (م۶۷۱ھ) ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اللہ تعالی نے مومنوں اور منافقوں کے درمیان فرق قرار دیا ہے اور یہ کہ ایک مومن کا سب سے خاص وصف یہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے، یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ اگلی قوموں پر بھی فرض تھا، اس کو **فائدۃ الرسالۃ** اور **خلافۃ النبوۃ** قرار دیتے ہیں، یہ سب کچھ کہہ دینے کے بعد کہتے ہیں کہ امر بالمعروف کا کام سب کے لیے مناسب نہیں ہے، اسے تو بس سلطان کو انجام دینا ہے، کیوں کہ اسی کو حدود نافذ کرنا ہوتے ہیں، اسی کی صواب دید سے تعزیر کے فیصلے ہوتے ہیں، قید کرنا اور رہائی دینا بھی اسی کے اختیار میں ہوتا ہے اور جلا وطنی کی سزا دینا بھی، اس لیے سلطان ہر شہر میں ایک صالح، قوی، عالم اور امین شخص کو اس کے لیے متعین کردے گا اور اسے اس کام کی انجام دہی پر مامور کرے گا۔[۶]

ایک دوسرے مقام پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کام انجام دینے والے علماء ہوں، اور سب لوگ تو علماء نہیں ہوتے ہیں۔ مزید کہتے ہیں، کہ یہ کام فرض کفایہ ہے اور جن لوگوں پر فرض ہے انہیں اللہ نے متعین کردیا ہے: الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ (الحج: ۴۱) کہہ کر، اور ظاہر ہے کہ سب لوگوں کو تو اقتدار حاصل نہیں ہوتا ہے۔[۷]

دونوں فریق اجماع کے دعوے دار

امام نوویؒ نے صراحت کے ساتھ یہ دعوی کیا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض کفایہ ہونے پر امت کا اجماع ہے:

الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ فَرْضُ كِفَايَةٍ بِإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ، وَهُوَ مِنْ أَعْظَمِ قَوَاعِدِ الْإِسْلَامِ .

''امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے، اس پر امت کا اجماع

ہے اور وہ اسلام کے عظیم ترین قواعد میں سے ہے۔''

امام نوویؒ کے اس دعوے کو امت میں بڑی حد تک رواج حاصل ہے اور بعد کے اہل علم بھی اس دعوے کو دہراتے ہیں۔ مبارک بن محمد المیلی الجزائری (م۱۳۶۴ھ) لکھتے ہیں:

وقد أجمع المسلمون على أن الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر فرض كفاية، إذا قام به بعض الناس، سقط الحرج عن الباقين، وإذا تركه الجميع، أثم كل من تمكّن منه بلا عذر۔ [۹]

''مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ اگر کچھ لوگ انجام دیں تو باقی سے گناہ ساقط ہوجائے گا، اور اگر سب نے اسے چھوڑ دیا تو وہ سب گناہ گار ہوں گے جنھوں نے اس پر قادر ہوتے ہوئے بنا عذر کے اسے چھوڑ دیا۔''

شہاب الدین محمود بن عبداللہ الحسینی الألوسی (م۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

العلماء اتفقوا على أن الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر من فروض الكفايات ولم يخالف فى ذلك إلا النزر، ومنهم الشيخ أبو جعفر من الامامية قالوا: إنها من فروض الأعيان۔ [۱۰]

''علما کا اس پر اتفاق ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فروض کفایہ میں سے ہے۔ بہت قلیل تعداد نے اس سے اختلاف کیا، جن میں امامیہ کے شیخ ابوجعفر بھی ہیں، انھوں نے کہا: یہ فروض عین میں سے ہے۔''

لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ اجماعی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کرنے والے دیگر اہل علم اس بات کا بالکل ذکر نہیں کرتے، بلکہ ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرض عین ہے۔

امام ابومحمد ابن حزم (م۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

وَاتَّفَقُوا فِي وجوب الامر بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْي عَن الْمُنكر بالقلوب وَاخْتلفُوا فِي وُجُوبه بِالْأَيْدِي وَالسِّلَاح . [۱۱]

''دلوں کے ذریعے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے واجب ہونے پر

ان کا اتفاق ہے، ہاتھ اور ہتھیار کے ذریعے اس کی انجام دہی کے واجب ہونے کے بارے میں ان کا اختلاف ہے۔''

علامہ ابوالحسن ابن القطان (م ۶۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وأجمعوا على وجوب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر بأيديهم وبألسنتهم إن استطاعوا ذلك، وإلا فبقلوبهم، وأنه لا يجب ذلك عليهم بالسيف إلا فى اللصوص والقطاع، بعد مناشدتهم. [۱۲]

''اس پر ان کا اجماع ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہاتھ اور زبان کے ذریعے واجب ہے، اگر وہ اس کی استطاعت رکھتے ہوں، ورنہ دل سے، اور یہ کہ تلوار کے ذریعے ان پر یہ واجب نہیں ہے، مگر چوروں اور ڈاکوؤں کے سلسلے میں، وہ بھی انہیں سمجھانے کے بعد۔''

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وأجمع المسلمون أن الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر واجب على كل من قدر عليهما، فإن لم يكن باليد فباللسان، وإن لم يكن باللسان فبالقلب استطاعة المرء. [۱۳]

''مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے ہر اس فرد پر جو ان دونوں کاموں پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر وہ آدمی کی استطاعت کے پہلو سے ہاتھ سے نہ ہو تو زبان سے اور اگر زبان سے نہ ہو تو دل سے واجب ہے۔''

فرض عین ماننے والے کم نہیں ہیں

جب ہم امام نوویؒ سے کافی پہلے کے متقدمین کے بیانات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کا اجماع کا یہ دعویٰ درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فقہ ظاہری کے امام ابن حزم کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ان کا موقف اس پہلو سے قابل ذکر ہے کہ انہوں نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو بہت صراحت کے ساتھ ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے اور اس کے لیے دلیل کے طور پر انہوں نے ہر جگہ وہی آیت پیش کی ہے جسے دیگر لوگ فرض کفایہ

قرار دینے کے لیے پیش کرتے ہیں:

وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنْ الْمُنْكَرِ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ إنْ قَدَرَ بِيَدِهِ فَبِيَدِهِ وَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ بِيَدِهِ فَبِلِسَانِهِ وَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ بِلِسَانِهِ فَبِقَلْبِهِ وَلَا بُدَّ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَا إيمَانَ لَهُ .وَمَنْ خَافَ الْقَتْلَ أَوْ الضَّرْبَ، أَوْ ذَهَابَ الْمَالِ، فَهُوَ عُذْرٌ يُبِيحُ لَهُ أَنْ يُغَيِّرَ بِقَلْبِهِ فَقَطْ وَيَسْكُتَ عَنْ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَعَنْ النَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ فَقَط. وَلَا يُبِيحُ لَهُ ذَلِكَ: الْعَوْنُ بِلِسَانٍ، أَوْ بِيَدٍ عَلَى تَصْوِيبِ الْمُنْكَرِ أَصْلًا، لِقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ (الحجرات:۹) وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (آل عمران:۱۰۴)

''امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض ہے ہر مسلمان پر، اگر وہ اپنے ہاتھ سے کرنے پر قادر ہو تو ہاتھ سے کرے اور اگر وہ ہاتھ سے کرنے پر قادر نہ ہو تو زبان سے کرے، اور اگر زبان سے قادر نہ ہو تو دل سے اور اس سے کوئی چارہ نہیں اور یہ ایمان کا کم زور ترین درجہ ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس میں ایمان نہیں ہے۔ اور اگر قتل یا مار کھانے یا مال چھن جانے کا اندیشہ ہو تو یہ ایک عذر ہے، جو اس کے لیے جائز قرار دیتا ہے کہ وہ صرف اپنے دل سے اسے تبدیل کرے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے خاموش رہے۔ تاہم مذکورہ امور اس کے لیے یہ جائز نہیں کرتے کہ وہ زبان یا ہاتھ سے منکر کو درست قرار دینے میں مدد کرنے لگے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے وجوب کی دلیل یہ دو آیتیں ہیں: (الحجرات:۹، آل عمران:۱۰۴)

مالکی فقہ: فرض عین سے فرض کفایہ تک

قدیم مالکی فقہاء صراحت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کام کو فرض عین بتاتے تھے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ مالکی مسلک سے وابستہ بعد کے فقہاء اسے فرض کفایہ کہنے لگے۔ مالکی فقہی لٹریچر کا مطالعہ چونکا دینے والے حقائق سے روٗ برو کرتا ہے۔قدیم مالکی فقہا میں سے علامہ ابوعمر ابن عبدالبر القرطبی (م۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

فَقَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ أَنَّ الْمُنكَرَ وَاجِبٌ تَغْيِيرُهُ عَلَى كُلِّ مَنْ قَدَرَ عَلَيْهِ وَأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَلْحَقْهُ فِي تَغْيِيرِهِ إِلَّا اللَّوْمُ الَّذِي لَا يَتَعَدَّى إِلَى الْأَذَى فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَجِبُ أَنْ يَمْنَعَهُ مِنْ تَغْيِيرِهِ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ فَبِقَلْبِهِ لَيْسَ عَلَيْهِ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ وَإِذَا أَنْكَرَهُ بِقَلْبِهِ فَقَدْ أَدَّى مَا عَلَيْهِ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ سِوَى ذَلِكَ وَالْأَحَادِيثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي تَأْكِيدِ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ كَثِيرَةٌ جِدًّا وَلَكِنَّهَا كُلَّهَا مُقَيَّدَةٌ بِالِاسْتِطَاعَةِ۔ [۱۶]

''مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ منکر کو مٹانا ہر اس شخص پر واجب ہے جو اس کی قدرت رکھتا ہو اور یہ کہ اگر اسے مٹانے میں اسے کچھ اور لاحق نہ ہوتا ہو سوائے ملامت کے، جو اذیت کی حد تک نہیں پہنچے تو یہ چیز بھی اسے نہ روکے ہاتھ سے منکر کو مٹانے کے عمل سے، البتہ اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو زبان سے اور اگر اس کی قدرت بھی نہ ہو تو دل سے، اس سے زیادہ اس پر واجب نہیں ہے، تو اگر وہ (ایسی صورت میں) اپنے دل سے ناپسند کرتا ہے اور اس کے ماسوا کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ اپنی ذمے داری کو ادا کرنے والا ہوگا۔ نبی ﷺ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر زور دینے والی حدیثیں بہت زیادہ ہیں، البتہ سب استطاعت کی شرط کے ساتھ ہیں۔''

ان کے بعد دوسرے مشہور مالکی فقیہ علامہ ابن رشد (م۵۲۰ھ) صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ یہ فرض عین ہے:

والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فرض على الأعيان

بالشرائط المذكورة، قال الله عز وجل: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبۃ:۷۱) وقال عزّ وجل: الَّذِينَ إِنْ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔(الحج:۴۱)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر مذکورہ (بالا) شرطوں کے ساتھ ہر فرد پر فرض (عین) ہے۔اس کی دلیل یہ دو آیتیں ہیں:التوبۃ:۷۱،الحج:۴۱۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

فالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر من فرائض الأعيان.

امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض عین میں سے ہے۔

علامہ ابن رشدؒ کے نزدیک 'من فرائض الأعیان' کا مطلب فرض کفایہ کے بالمقابل فرض عین ہی ہے، اس کی شہادت ذیل کی عبارت سے بھی ملتی ہے:

قال محمد بن رشد: سئل أولا عن طلب العلم أفريضة هو؟ فقال: لا والله، يريد أنه ليس بفريضة على جميع الناس كالصلاةِ والصيام وما أشبه ذلك من العبادات التي هي من فرائض الأعيان . ۱۹

''محمد بن رشد نے سے پہلے پوچھا گیا: کیا علم حاصل کرنا فرض ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے۔ان کی مراد یہ تھی کہ وہ نماز، روزہ اور ان جیسی عبادتوں کی طرح، جو فرض عین ہیں، تمام مسلمانوں پر فرض نہیں ہے۔''

ایک اور مالکی فقیہ علامہ ابوالعباس القرافیؒ (م۶۸۴ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ مَرَاتِبُ الْإِنْكَارِ ثَلَاثَةٌ: أَقْوَاهَا أَنْ يُغَيِّرَهُ بِيَدِهِ، وَهُوَ وَاجِبٌ عَيْنًا مَعَ الْقُدْرَةِ۔۲۰

''پھر منکر پر نکیر کرنے کے تین درجے ہیں، جن میں قوی تر یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اسے مٹائے۔ یہ قدرت کے ہوتے ہر فرد پر واجب (عین) ہے۔''

علامہ قرافی کے ہم عصر فقیہ علامہ جمال الدین ابن الحاجب (م ۶۴۶ھ) کی درج ذیل عبارت بھی یہی کہتی ہے:

وَالْأَمر بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْي عَن الْمُنكر وَاجِب بِثَلَاثَة شُرُوط... والتمريض فرض كِفَايَة يقوم بِهِ الْقَرِيب والصاحب ثمَّ الْجَار ثمَّ سَائِر النَّاس۔[۲۱]

''امر بالمعروف و نہی عن المنکر تین شرطوں کے ساتھ واجب ہے۔ (آگے لکھتے ہیں) بیمار کی تیمارداری فرض کفایہ ہے، قرابت دار اور دوست اسے انجام دے گا، پھر پڑوسی، پھر باقی لوگ۔''

مالکی علماء کی فقہی روایت میں ہمارا مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ متقدمین میں اس کام کے فرض عین ہونے کا ذکر کثرت اور صراحت سے ملتا ہے، جب کہ بعد میں صورت حال اس کے برعکس ہوجاتی ہے اور اس کام کے فرض کفایہ ہونے کا تذکرہ بہت زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ حیرت میں اس وقت اضافہ ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فقہ مالکی کے کسی قدیم متن میں اسے فرض عین کہا گیا اور بعد کے شارحین نے اس متن کی تشریح کرتے ہوئے اسے فرض کفایہ لکھ دیا۔ اس سلسلے کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

چوتھی صدی ہجری کے مشہور مالکی فقیہ ابن ابی زید القیر وانی (م ۳۸۶ھ) نے اپنی کتاب 'الرسالۃ' میں فرائض واجبات اور نوافل کا تذکرہ کرنے کے لیے ایک باب قائم کیا اور اس میں متعدد فرائض کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرض کفایہ کو ایک ساتھ ذکر کیا، جس میں نماز جنازہ، تدفین، طلب علم، جہاد اور سرحدوں کی نگرانی کا تذکرہ کیا، اس صراحت کے ساتھ کہ یہ فرض کفایہ ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے **یحملها من قام بها** (جو اسے انجام دے گا وہ اس کے اجر کا مستحق ہوگا) کی تعبیر اختیار کی۔ بقیہ تمام فرائض، جن کی حیثیت فرض عین کی ہے، ان کے ساتھ یہ تعبیر نہیں استعمال کی۔ فرض عین کے تذکرے کے دوران فرض عین ہی کے اسلوب بیان میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بھی تذکرہ کیا، جس سے یہ واضح ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل نماز روزے کی طرح فرض عین ہے۔ اس کتاب کی شرح بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم شہاب الدین نفراوی (م

۱۱۲۶ھ) نے 'الفواکه الدوانی' کے نام سے لکھی۔ انہوں نے شرح میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ساتھ فرض کفایہ کی قید اپنی طرف سے لگادی، حالاں کہ یہ صاحب کتاب کی منشا کے عین خلاف تھا۔

قیروانی نے فرائض کی طویل فہرست پیش کی ہے۔ اس میں لکھا ہے:

الوضوء للصلاة فريضة...والغسل من الجنابة ودم الحيض والنفاس فريضة ...والغسل على من أسلم فريضة ... والصلوات الخمس فريضة ،وتكبيرة الإحرام فريضة ... والدخول فى الصلاة بنية الفرض فريضة ...والقراء ة بأم القرآن فى الصلاة فريضة...والقيام والركوع والسجود فريضة ، والجلسة الأولى سنة والثانية فريضة ، والسلام فريضة ...وترک الكلام فى الصلاة فريضة ...واستقبال القبلة فريضة ، وصلاة الجمعة والسعى إليها فريضة...والصلاة على موتى المسلمين فريضة يحملها من قام بها ، وكذلک مواراتهم بالدفن وغسلهم سنة واجبة، وكذلک طلب العلم فريضة عامة يحملها من قام بها إلا ما يلزم الرجل فى خاصة نفسه، وفريضة الجهاد عامة يحملها من قام بها إلا أن يغشى العدو محلة قوم فيجب فرضا عليهم قتالهم إذا كانوا مثلى عددهم والرباط فى ثغور المسلمين وسدها وحياطتها واجب يحمله من قام به وصوم شهر رمضان فريضة ...وزكاة العين والحرث والماشية فريضة ... وحج البيت فريضة ...والنية بالحج فريضة والطواف للإفاضة فريضة ، والسعى بين الصفا والمروة فريضة ... والوقوف بعرفة فريضة ...ومن الفرائض غض البصر عن المحارم ...ومن الفرائض صون اللسان عن الكذب والزور والفحشاء والغيبة والنميمة والباطل كله ...ومن الفرائض بر الوالدين وإن كانا فاسقين وإن كانا مشركين ...ومن

الفرائض الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر على كل من بسطت يده فى الأرض وعلى كل من تصل يده إلى ذلک ...وفرض على كل مؤمن أن يريد بكل قول وعمل من البر وجه الله الكريم ...والتوبة فريضة من كل ذنب ... والفكرة فى أمر الله مفتاح العبادة .

''نماز کے لیے وضو فرض ہے... جنابت حیض اور نفاس سے غسل فرض ہے... اسلام لانے والے پر غسل فرض ہے... نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے... قیام رکوع اور سجود فرض ہے... جلسہ اولی سنت اور جلسہ ثانیہ فرض ہے... سلام فرض ہے... نماز میں بات نہیں کرنا فرض ہے... قبلہ رخ ہونا فرض ہے... جمعہ کی نماز اور اس کے لیے تیز بڑھنا فرض ہے... مسلمانوں کی نماز جنازہ فرض ہے، جو انجام دے گا وہ اس کا حامل ہوگا... اسی طرح ان کی تدفین کر کے چھپانا واجب سنت ہے... اسی طرح علم حاصل کرنا عمومی فرض ہے جو انجام دے گا وہ اس کا حامل ہوگا، سوائے اس علم کے جو آدمی کو خاص اپنے لیے ضروری ہوتا ہے... اور جہاد کا فریضہ عام ہے جو انجام دے گا وہ اس کا حامل ہوگا، سوائے اس کے کہ دشمن کسی پوری بستی پر حملہ آور ہو جائیں تو وہاں کے سب لوگوں پر ان سے جنگ کرنا فرض ہوگا اگر دشمن ان سے تعداد میں دوگنا ہوں، مسلمانوں کی سرحدوں پر پہرہ دینا اور ان کی حفاظت کرنا واجب ہے جو انجام دے گا وہ اس کا حامل ہوگا، اور رمضان کے مہینے کا روزہ فرض ہے . . . نقد کی اور کھیتی اور مویشیوں کی زکات فرض ہے... کعبہ کا حج فرض ہے۔۔۔حج کی نیت فرض ہے، طواف افاضہ فرض ہے، صفا مروہ کے بیچ سعی فرض ہے... عرفات میں قیام فرض ہے... فرائض میں سے حرام اشخاص سے غض بصر بھی ہے... فرائض میں سے زبان کو جھوٹ، جھوٹی گواہی، فحاشی، غیبت، چغلی اور ہر باطل سے محفوظ رکھنا بھی ہے... فرائض میں سے والدین کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے خواہ وہ فاسق ہوں اور خواہ وہ مشرک ہوں... اور فرائض میں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے، ہر اس شخص پر جسے

زمین میں قدرت حاصل ہو اور ہر اس پر جس کا ہاتھ وہاں تک پہنچے۔۔۔اور فرض ہے ہر مومن پر کہ وہ قول وعمل کی ہر نیکی کا مقصود رب کریم کی خوش نودی کو بنائے... اور ہر گناہ سے توبہ فرض ہے... اور اللہ کی شان میں غور وفکر عبادت کی کنجی ہے۔''

اس کی شرح میں نفراویؒ نے لکھا ہے:

(وَمِنْ الْفَرَائِضِ) عَلَى جِهَةِ الْكِفَايَةِ (الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنْ الْمُنْكَرِ) ۲۳

''اور فرائض میں سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر بطور کفایہ ہے۔''

یہ تشریح متن کے خلاف ہے۔متن صاف کہہ رہا ہے کہ یہ دیگر فرائض کی طرح فرض عین ہے اور شارح اس میں اپنی طرف سے فرض کفایہ ہونے کا اضافہ کررہے ہیں۔

ابن ابی زید قیروانی کے متن 'الرسالۃ' کی ایک دوسری شرح دسویں صدی ہجری کے فقیہ ابوالحسن علی بن خلف المنوفی (م ۹۳۹ھ) نے 'کفایۃ الطالب الربانی' کے نام سے کی ہے، جس میں انھوں نے قیروانی کے موقف کی صحیح ترجمانی کی ہے۔

(وَمِنْ الْفَرَائِضِ) فَرْضِ عَيْنٍ (الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ) وَهُوَ مَا أَمَرَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ بِهِ (وَالنَّهْيُ عَنْ الْمُنْكَرِ) وَهُوَ مَا نَهَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ عَنْهُ. ۲۴

''اور (فرائض میں سے) ایک فرض عین (امر بالمعروف) ہے، یعنی جس چیز کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ (اور نہی عن المنکر) ہے۔یعنی جس چیز سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔''

بارہویں صدی ہجری کے مالکی فقیہ ابوالحسن عدویؒ (م ۱۱۸۹ھ) نے کفایۃ الطالب الربانی پر حاشیہ لکھا، جو حاشیۃ العدوی علی کفایۃ الطالب الربانی کے نام سے موسوم ہے۔اس میں انھوں نے نوٹ لگایا کہ وہ فرض عین نہیں، بلکہ فرض کفایہ ہے:

(قَوْلُهُ: فَرْضِ عَيْنٍ) مُلَخَّصُ عِبَارَتِهِ كَمَا يُفِيدُهُ التَّحْقِيقُ أَنَّهُ فَرْضُ عَيْنٍ فِي حَقِّ مَنْ بُسِطَتْ يَدُهُ فِي الْأَرْضِ، وَظَاهِرُهُ، وَلَوْ تَعَدَّدَ وَلَا يَظْهَرُ بَلْ إذَا تَعَدَّدَ فَهُوَ فَرْضُ كِفَايَةٍ كَغَيْرِ مَنْ

بُسِطَتْ يَدُهُ هَذَا فِي الْأَمْرِ بِالْيَدِ، أَوْ اللِّسَانِ .وَأَمَّا بِالْقَلْبِ فَفَرْضُ عَيْنٍ .۲۵

''(ان کا کہنا: یہ فرض عین ہے) ان کی عبارت سے یہ خلاصہ نکلتا ہے اور تحقیق بھی یہی ہے کہ وہ اس کے حق میں فرض عین ہے جس کو زمین میں اختیار حاصل ہو، اور اس کا بظاہر مفہوم تو یہ ہے کہ اگر ایسے افراد ایک سے زیادہ ہوں تب بھی وہ فرض عین ہے، لیکن یہ قول ظاہر نہیں ہے، بلکہ اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو وہ فرض کفایہ رہے گا، دیگر افراد کی طرح جن کو اس معاملے میں قدرت حاصل ہو، ہاتھ سے یا زبان سے کرنے کی حد تک یہ حکم ہے، البتہ دل کی حد تک وہ فرض عین ہے۔''

راقم کا اندازہ ہے کہ مالکی مسلک کی فقہی روایت میں اس عمل کو فرض کفایہ کے طور پر شامل کرنے کی ذمے داری خاص طور پر خلیل بن اسحاق مصریؒ (م ۷۷۶ھ) پر عائد ہوتی ہے۔ وہیں سے یہ خیال مالکیہ کے یہاں مستحکم اور رائج ہوگیا۔ مختصر خلیل فقہ مالکی کا مشہور متن ہے۔ اس میں خلیل نے فرض کفایہ کی فہرست میں امر بالمعروف کو بھی شامل کر دیا:

الجهاد في أهم جهة كل سنة وإن خاف محاربا: كزيارة الكعبة: فرض كفاية ولو مع وال جائر: على كل حرّ ذكر مكلّف قادر: كالقيام بعلوم الشرع والفتوى ودفع الضرر عن المسلمين والقضاء والشهادة والإمامة والأمر بالمعروف والحرف المهمة ورد السلام وتجهيز الميت وفك الأسير۔ ۲۶

''کعبہ کی زیارت کی طرح جہاد بھی ہر آزاد مرد مکلّف اور صاحب قدرت پر فرض کفایہ ہے، ہر سال، اہم ترین محاذ پر، گو کہ محارب کا اندیشہ ہو، خواہ ظالم گورنر کے ساتھ رہ کر کرنا پڑے... جس طرح علوم شریعت، فتوی، مسلمانوں سے ضرر کو دور کرنا، قضا، شہادت، امامت، امر بالمعروف، اہم پیشے، سلام کا جواب، میت کی تجہیز وتکفین اور قیدی کو چھڑانا جیسے کاموں کو انجام دینا (فرض کفایہ) ہے۔''

بالآخر مالکی روایت میں اس رائے کو قبول عام ملا کہ دل سے یہ کام انجام دینا فرض عین ہے اور ہاتھ اور زبان سے انجام دینا فرض کفایہ ہے۔ ابو العباس احمد الصاوی (م۱۲۴۱ھ) لکھتے ہیں:

(وَيَجِبُ الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ) قَوْلًا وَفِعْلًا ثُمَّ إِنْ كَانَ بِالْقَلْبِ فَفَرْضُ عَيْنٍ، وَأَمَّا بِالْيَدِ أَوْ اللِّسَانِ عَلَى مَنْ لَهُ قُدْرَةٌ وَإِنْ تَعَدَّدَ فَفَرْضُ كِفَايَةٍ . ۲۷

''(اور امر بالمعروف واجب ہے) قول اور فعل سے، مزید برآں جہاں تک دل سے کرنے کی بات ہے تو یہ فرض عین ہے اور جہاں تک ہاتھ اور زبان سے کرنے کی بات ہے تو اس پر جو قدرت رکھتا ہو فرض عین ہے، اور ایسے کئی افراد ہوں تو فرض کفایہ ہے۔''

دل چسپ بات یہ ہے کہ تفسیری لٹریچر میں مالکی مسلک کے مفسرین نے (جو فقہا میں بھی شمار ہوتے ہیں) عام طور سے اسے فرض کفایہ کہا ہے۔ ابن عطیہ (م۵۴۲ھ) لکھتے ہیں:

قال أهل العلم: وفرض الله بهذه الآية الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، وهو من فروض الكفاية إذا قام به قائم سقط عن الغير. ۲۸

''اہل علم کا قول ہے: اللہ نے اس آیت کے ذریعے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فرض کیا ہے۔ وہ فروض کفایہ میں سے ہے، اگر کسی کرنے والے نے کر دیا تو دوسروں سے ساقط ہو جائے گا۔''

ابن العربی (م۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاس (آل عمران: ۱۱۰) دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنْ الْمُنْكَرِ فَرْضُ كِفَايَةٍ، وَمِنْ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ نُصْرَةُ الدِّينِ بِإِقَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَى الْمُخَالِفِينَ، وَقَدْ يَكُونُ فَرْضَ عَيْنٍ إذَا عَرَفَ الْمَرْءُ مِنْ نَفْسِهِ صَلَاحِيَّةَ النَّظَرِ وَالِاسْتِقْلَالِ بِالْجِدَالِ، أَوْ عُرِفَ ذَلِكَ مِنْهُ . ۲۹

''كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی کی قبیل سے مخالفین پر حجت قائم کرکے دین کی نصرت کرنا بھی ہے، اور وہ کبھی فرض عین بھی ہوجاتا ہے، جب آدمی کو اپنے سلسلے میں صاحبِ نظر اور صاحبِ استدلال ہونا معلوم ہو، یا لوگ اس کے بارے میں جان لیں۔''

ابن حیان الأندلسی (م ۷۴۵ھ) لکھتے ہیں:

وَظَاهِرُ هَذَا الْأَمْرِ الْفَرْضِيَّةُ، فَالْجُمْهُورُ عَلَى أَنَّهُ فَرْضُ كِفَايَةٍ، فَإِذَا قَامَ بِهِ بَعْضٌ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ. وَذَهَبَ جَمَاعَةٌ، مِنَ الْعُلَمَاءِ إِلَى أَنَّهُ فَرْضُ عَيْنٍ، فَيَتَعَيَّنُ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ مَتَى قَدَرَ عَلَى ذَلِكَ وَتَمَكَّنَ مِنْهُ. ۳۰

''(آیت میں مذکور حکم) کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ وہ فرض ہو۔ جمہور کی رائے ہے کہ وہ فرض کفایہ ہے۔ کچھ نے اسے انجام دے دیا تو باقی پر سے ساقط ہوجائے گا۔ علما کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ فرض عین ہے، اس لیے ہر مسلمان پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر متعین طور پر فرض ہوگا، جب بھی وہ اس کی قدرت اور زور رکھتا ہو۔''

امام شافعیؒ اور فقہائے شوافع

فقہاء شوافع کی کتابوں میں اس رائے کا ذکر کثرت سے ملتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام فرض کفایہ ہے، لیکن امام شافعیؒ کی اپنی کتابوں میں یہ صورت نظر نہیں آتی۔ وہ فرض کفایہ کے تصور کو بہت اہتمام کے ساتھ پیش کرتے ہیں، لیکن اس کے لیے جو مثالیں پیش کرتے ہیں، ان میں تفقہ، جہاد، نماز جنازہ، سلام کا جواب، اور گواہی کا ذکر تو کرتے ہیں، لیکن امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ذکر کہیں نہیں کرتے۔ کتاب الأم کی عبارت یہ ہے:

كَمَا كَانَ الْجِهَادُ وَالصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَائِزِ وَرَدُّ السَّلَامِ فَرْضًا عَلَى الْكِفَايَةِ لَا يُحْرَجُ الْمُتَخَلِّفُ إِذَا كَانَ فِيمَنْ يَقُومُ بِذَلِكَ كِفَايَةٌ. ۳۱

''جس طرح جہاد، نماز جنازہ، سلام کا جواب فرض کفایہ ہے، اگر انجام دینے والے اس کے لیے کافی ہوں تو انجام نہ دینے والے پر گناہ نہیں ہوگا۔''

الرسالۃ کی عبارت بھی اسی کے مثل ہے:

ولم يَزَلِ المسلمون على ما وصفْتُ، مُنْذُ بعثَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ – فيما بَلَغَنا – إلى اليوم، يَتَفَقَّهُ أَقَلُّهُمْ، ويَشْهَدُ الجنائِزَ بعضُهم، ويجاهدُ ويرُدُّ السلامَ بعضُهم، ويتخلّف عَنْ ذلك غيرُهم، فيعرفون الفضْلَ لمن قام بالفقه والجهاد وحضورِ الجنائز وردِّ السلام، ولا يُؤَثِّمُونَ مَنْ قَصَّرَ عن ذلك، إذا كان بهذا قائمون بكِفَايَتِهِ۔[۳۲]

''ہمارے علم کے مطابق جب سے اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا اس وقت سے آج تک، مسلمان اسی طریق پر عمل پیرا رہے، بہت تھوڑے لوگ تفقہ حاصل کرتے ہیں، کچھ لوگ جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، کچھ لوگ جہاد کرتے ہیں اور کچھ لوگ سلام کا جواب دیتے ہیں، دیگر لوگ اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں، ایسے میں اہل اسلام ان کے فضل کا اعتراف کرتے ہیں جو فقہ و جہاد، جنازے میں شرکت اور سلام کا جواب دینے پر کار بند رہے، اور جو اس میں کوتاہ رہے انہیں گناہ گار نہیں قرار دیتے، اگر انجام دینے والے کافی ہو جائیں۔''

فقہ شافعی میں یہ تصور کب اور کس طرح آیا، اس پہلو سے تحقیق کی ضرورت ہے۔ پانچویں صدی ہجری کے محدث بیہقی اور فقیہ ماوردی اسے فرض کفایہ قرار دیتے ہیں۔

امام ابوبکر البیہقی (م۴۵۸ھ) نے السنن الکبری میں باقاعدہ باب قائم کیا ہے:

بَابُ مَا يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى أَنَّ الْقَضَاءَ وَسَائِرَ أَعْمَالِ الْوُلَاةِ مِمَّا يَكُونُ أَمْرًا بِمَعْرُوفٍ،أَوْ نَهْيًا عَنْ مُنْكَرٍ مِنْ فُرُوضِ الْكِفَايَاتِ.[۳۳]

''ان احادیث کا تذکرہ جن سے یہ دلیل لی جاتی ہے کہ قضا اور حکومت کے وہ تمام کام جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قبیل سے ہیں، وہ

فروض کفایہ میں ہیں۔''

ابوالحسن الماوردی (م۴۵۰ھ) کی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

الحسبة: هي أمر بالمعروف إذا ظهر تركه، ونهي عن المنكر إذا أظهر فعله .وقال الله تعالى: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران:۱۰۴)۔ وهذا، وإن صحّ من كل مسلم، فالفرق فيه بين المتطوع والمحتسب من تسعة أوجه:

أحدها: إنَّ فرضه متعيّن على المحتسب بحكم الولاية، وفرضه على غيره داخل في فروض الكفاية .۳۴

یہاں ماوردی یہ تفصیل بیان کرتے ہیں کہ جسے محتسب کی ذمے داری دی گئی ہے اس پر تو یہ کام متعین طور پر فرض ہے، البتہ دیگر لوگوں کے لیے وہ فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

احناف کا موقف

فقہ حنفی کی کتابوں میں عام طور سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بارے میں گفتگو نہیں ملتی، البتہ علامہ محمد بن احمد السرخسی (م۴۸۳ھ) نے المبسوط میں بعض مقامات پر اس کا ہر مسلمان پر فرض ہونا بیان کیا ہے:

وَدَفْعَ الظُّلْمِ عَنْ الْمَظْلُومِ مِنْ بَابِ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ، وَذَلِكَ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ .۳۵

''مظلوم سے ظلم کو دفع کرنا امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہے، اور وہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

وَلِأَنَّ رَدَّ الْآبِقِ نَهْيٌ عَنْ الْمُنْكَرِ؛ لِأَنَّ الْإِبَاقَ مُنْكَرٌ، وَالنَّهْيُ عَنْ الْمُنْكَرِ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ .۳۶

''بھگوڑے کو واپس لانا نہی عن المنکر ہے، کیوں کہ بھاگ نکلنا منکر ہے اور نہی عن المنکر ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

ایک اور مقام پر رقم کرتے ہیں:

وَلَوْ كَانَ الْمُسْتَأْجِرُ مُسْلِمًا فَظَهَرَ مِنْهُ فِسْقٌ فِي الدَّارِ أَوْ دَعَارَةٌ أَوْ كَانَ يَجْمَعُ فِيهَا عَلَى الشُّرْبِ مَنَعَهُ رَبُّ الدَّارِ مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ لَا لِمِلْكِهِ الدَّارَ بَلْ عَلَى سَبِيلِ النَّهْيِ عَنْ الْمُنْكَرِ فَإِنَّهُ فَرْضٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَاحِبُ الدَّارِ وَغَيْرُهُ فِيهِ سَوَاءٌ ۳۷

''اگر کرایے دار مسلمان ہو اور اس سے گھر میں فسق کا ظہور ہوتا ہو، یا بدکاری کا، یا وہ شراب نوشی کی مجلس جماتا ہو، تو مالک مکان اسے ان سب باتوں سے روک دے گا۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ مالک مکان ہے، بلکہ نہی عن المنکر کے طور پر، کیوں کہ نہی عن المنکر ہر مسلمان پر فرض ہے، اس میں مالک مکان اور دوسرے لوگ برابر ہیں۔''

البتہ علامہ ابوبکر الجصاص (م ۳۷۰ھ) نے اس کے فرض کفایہ ہونے کی پرزور وکالت کی ہے۔ ۳۸

علامہ فراہی کی علامہ ابن تیمیہؒ پر تنقید

میری معلومات کی حد تک علامہ حمید الدین فراہیؒ (م ۱۳۴۹ھ) نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو خاص طور سے گفتگو کا موضوع کہیں نہیں بنایا ہے، البتہ دو مقامات پر اسالیب قرآن کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اس پر مختصر کلام کیا ہے۔ ان کے نزدیک ولتکن منکم أمة میں من تبعیض کا ہے اور کنتم خیر أمة والی آیت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا وصف امت کے تمام افراد سے متعلق نہیں ہے، بلکہ مجموعی لحاظ سے امت کا وصف ہے۔ اسی طرح ولتکن منکم أمة والی آیت میں بھی یہ کام مجموعی لحاظ سے امت کا کام ہے، نہ کہ امت کے ہر فرد کا، خواہ مِن کو تبعیض کا مانیں یا بیان کا۔ علامہ فراہیؒ اپنی کتاب اسالیب القرآن میں لکھتے ہیں کہ امت کے ہر فرد پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام فرض نہیں ہے، بلکہ مجموعی لحاظ سے یہ اس امت کی ذمہ داری ہے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کے نزدیک ولتکن منکم أمة میں من تبعیض کا نہیں ہے اور ان کے نزدیک یہ فریضہ امت کے ہر فرد پر عائد ہوتا ہے۔

علامہ فراہیؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کی طرف یہ خیال منسوب کر کے اس پر سخت تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے مشہور اور رائج اسلوب کو چھوڑ دیا اور اس کے مقابلے میں ایک نادر اسلوب کو لے لیا۔ ان کی یہ رائے اصول تاویل کے خلاف ہے، سنت کے بھی خلاف ہے، حکمت کے بھی خلاف ہے اور سیاق میں مذکور قریبی شاہد کے بھی خلاف ہے۔

كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله (نسبة الفعل بصيغة الجمع إلى المجموع من حيث هو مجموع،فلا ينسب إلى كل فرد فرد) .فزعم ابن تيمية رحمه الله أن الأمر بالمعروف واجب على كل فرد من هذه الأمة .وعلى هذا أخطأ في قوله تعالى: ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير (سورۃ آل عمران:۱۰۴) فزعم أن منكم ليس للتبعيض.فتمسك بالنادر وترك الكثير الشائع .وهذا مخالف لأصول التأويل، ومخالف للسنة،ومخالف للحكمة،ومخالف للشاهد القريب .فإنه بعد هذه الآية بقرب منها جاء قوله تعالى: ومن أهل الكتاب أمة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل وهم يسجدون. (الآیۃ:۱۱۳) فليس المعنى أن أهل الكتاب كلهم هكذا...۲۵

''آیت میں جمع کے صیغے میں فعل کی نسبت مجموع کی حیثیت سے مجموع کی طرف ہے، اس لیے وہ ہر فرد کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ ابن تیمیہؒ کا گمان ہے کہ امر بالمعروف اس امت کے ہر فرد پر واجب ہے۔ اسی بنا پر وہ غلطی کر گئے ارشاد باری ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير کو سمجھنے میں۔ انھوں نے گمان کیا کہ منکم تبعیض کے لیے نہیں ہے۔ اس طرح انھوں نے نادر (استعمال) کو پکڑا اور کثیر و مشہور (استعمال) کو چھوڑ دیا۔ یہ تاویل کے اصولوں کے خلاف ہے اور سنت، حکمت اور قریبی شاہد کے بھی خلاف ہے۔ کیوں کہ اس آیت کے بعد اس سے قریب ہی یہ ارشاد باری ہے: ومن أهل الكتٰب أمة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل وهم يسجدون۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے

کہ تمام اہل کتاب اس طرح ہیں۔''

دل چسپ بات یہ ہے کہ علامہ فراہیؒ نے جو خیال علامہ ابن تیمیہؒ کی طرف منسوب کر کے اس پر اس قدر سخت تنقید کی ہے، وہ ابن تیمیہؒ کا ہے ہی نہیں۔ ابن تیمیہؒ نے ہر جگہ لکھا ہے کہ امر بالمعروف کا کام فرض کفایہ ہے۔ یہ بات بھی دل چسپی سے خالی نہیں کہ علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف وہی ہے جو علامہ فراہیؒ کا ہے، بلکہ مجموع الأمۃ کی تعبیر بھی دونوں کے یہاں مشترک ہے:

وَهَـذَا الْوَاجِبُ وَاجِبٌ عَلَى مَجْمُوعِ الْأُمَّةِ وَهُوَ الَّذِي يُسَمِّيهِ الْعُلَمَاءُ فَرْضَ كِفَايَةٍ إذَا قَامَ بِهِ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ سَقَطَ عَنْ الْبَاقِينَ فَالْأُمَّةُ كُلُّهَا مُخَاطَبَةٌ بِفِعْلِ ذَلِكَ، وَلَكِنْ إذَا قَامَتْ بِهِ طَائِفَةٌ سَقَطَ عَنْ الْبَاقِين. قَالَ تَعَالَى: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ.[۴۰]

''یہ واجب مجموعی طور پر امت پر واجب ہے۔ اسی کو علماء فرض کفایہ کا نام دیتے ہیں کہ اگر اسے ایک گروہ نے انجام دے دیا تو باقی سے ساقط ہوگا، چناں چہ پوری امت اسے کرنے کی مخاطب ہوتی ہے، لیکن اگر ایک گروہ نے کر دیا تو بقیہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنْ الْمُنْكَرِ لَا يَجِبُ عَلَى كُلِّ أَحَدٍ بِعَيْنِهِ بَلْ هُوَ عَلَى الْكِفَايَةِ كَمَا دَلَّ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ .[۴۱]

''امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہر شخص پر متعین طور سے واجب نہیں ہے، بلکہ وہ فرض کفایہ ہے جیسا کہ قرآن سے دلالت ہوتی ہے۔''

دل چسپ بات یہ بھی ہے کہ جس موقف کو علامہ فراہیؒ نے اسالیب القرآن میں متعدد پہلوؤں سے غلط قرار دیا ہے اور اس کی کسی طرح کی گنجائش سے انکار کیا ہے، اسی موقف کو جب وہ التکمیل فی اصول التاویل میں ذکر کرتے ہیں تو ان کے یہاں کافی حد تک گنجائش اور لچک نظر آتی ہے۔ وہاں وہ اسے علامہ ابن تیمیہ کی طرف منسوب بھی نہیں کرتے ہیں۔[۴۲]

چوں کہ دونوں مقامات پر علامہ فراہیؒ نے خود گفتگو کے نامکمل رہ جانے کے اشارے دیے ہیں، اس لیے ان کے موقف پر زیادہ گفتگو کی گنجائش محسوس نہیں ہوتی۔ اتنا واضح ہے کہ ان کا موقف وہی ہے جو علامہ ابن تیمیہؒ اور دوسرے بہت سے لوگوں کا ہے کہ ولتکن منکم أمة میں من تبعیض کا ہے اور یہ کام امت کے ہر فرد پر فرض عین نہیں ہے، لیکن وہ پوری امت پر مجموعی لحاظ سے فرض ہے، جسے اصطلاح میں 'فرض کفایہ' کہتے ہیں، یا امت کے کسی خاص گروہ پر فرض ہے۔ جیسے اہل علم کا گروہ۔ اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف تو یہی ہے کہ یہ پوری امت پر فرض کفایہ ہے، البتہ علامہ فراہیؒ کا موقف واضح نہیں ہے۔ بہرصورت قوی گمان ہے کہ یہاں علامہ فراہیؒ کو کسی اور نام سے اشتباہ ہوگیا ہو۔ ممکن ہے، ابن حزمؒ کی جگہ انہوں نے سہواً ابن تیمیہ کا نام ذکر کردیا ہو۔ خاص طور سے نامکمل کتابوں میں، جن پر نظر ثانی ہی نہیں، ان کی تکمیل وتبییض کا بھی موقع مصنف کو نہیں ملا ہو، اس طرح کی غلطیوں کا امکان رہتا ہے۔

علامہ محمد عبدہؒ کی رائے

شیخ محمد رشید رضا (م۱۳۵۴ھ) نے اپنے استاذ شیخ محمد عبدہ (م۱۳۳۲ھ) کے حوالے سے جو کچھ نقل کیا ہے اور خود اپنی جو رائے ذکر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام ان دونوں کے نزدیک تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کی حیثیت فرض عین کی ہے۔ تفسیر المنار میں بہت تفصیل سے دونوں حضرات نے اس موقف کو قوت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بہ طور رخلاصہ ذیل میں دونوں عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:

> ثُمَّ قَالَ مَا حَاصِلُهُ: جُمْلَةُ الْقَوْلِ أَنَّ الدَّعْوَةَ إِلَى الْخَيْرِ وَالْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَرْضٌ حَتْمٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ كَمَا تَدُلُّ عَلَيْهِ الْآيَةُ فِي ظَاهِرِهَا الْمُتَبَادِرِ، وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ.
>
> ''شیخ محمد عبدہ کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ خیر کی طرف دعوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہر مسلمان پر حتمی طور پر فرض ہے، جیسا کہ اس آیت کا ظاہری مفہوم ہے اور دوسری آیتوں کا بھی۔''

أَقُولُ: وَيَظْهَرُ تَذْيِيلُ الْآيَةِ بِقَوْلِهِ – تَعَالَى –: وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ مَا لَا يَظْهَرُ عَلَى الْوَجْهِ الْآتِي فَهُوَ يَقُولُ: إِنَّ الْقَائِمِينَ بِمَا ذُكِرَ هُمُ الْفَائِزُونَ بِمَا أَعَدَّهُ اللهُ مِنَ السَّعَادَةِ لِأَهْلِ الْحَقِّ دُونَ سِوَاهُمْ، وَلَا يَصِحُّ أَنْ يَكُونَ خَاصًّا بِالْقَائِمِينَ بِفَرْضِ الْكِفَايَةِ۔۴۳

شیخ رشید رضا کہتے ہیں: اس آیت کے آخر میں وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (اور وہی کام یاب ہونے والے ہیں) آیا ہے۔ فرض عین ماننے کے نتیجے میں اس جملے کی معنویت زیادہ اچھی طرح کھل کر سامنے آتی ہے۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جو یہ مذکورہ کام کرتے ہیں وہی اس سعادت کے سزاوار ہوں گے جو اللہ نے اہل حق کے لیے رکھی ہے، دوسرے اس کے سزاوار نہیں ہوں گے۔ یہ وعدہ فرض کفایہ کو انجام دینے والوں کے ساتھ خاص تو نہیں ہوسکتا ہے۔

درج ذیل اقتباس میں بھی دونوں حضرات کے موقف کا خلاصہ موجود ہے:

قَوْلُهُ تَعَالَى: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۳: ۱۰۴) وَقَدْ ذَكَرْنَا فِي تَفْسِيرِهَا مَا بَسَطَهُ شَيْخُنَا الْأُسْتَاذُ الْإِمَامُ مِنْ كَوْنِ الرَّاجِحِ الْمُخْتَارِ أَنَّ قَوْلَهُ تَعَالَى: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ تَجْرِيدٌ كَقَوْلِ الْقَائِلِ: لِيَكُنْ لِي مِنْكَ صَدِيقٌ – أَيْ لِتَكُنْ صَدِيقًا لِي، وَأَنَّهُ يَجِبُ عَلَى جَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَكُونُوا دُعَاةً إِلَى الْخَيْرِ الْأَعْظَمِ الَّذِي هَدَاهُمُ اللهُ إِلَيْهِ، وَيَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، كُلٌّ عَلَى قَدْرِ حَالِهِ وَاسْتِطَاعَتِهِ كَمَا كَانَ الْمُسْلِمُونَ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ، وَأَنَّهُ مَعَ ذَلِكَ يَجِبُ أَنْ يَتَأَلَّفَ لِلدَّعْوَةِ جَمَاعَاتٌ تُعِدُّ لَهَا عُدَّتَهَا، وَأَنَّ هَذَا مُتَعَيِّنٌ عَلَى الْوَجْهِ الْآخَرِ فِي الْآيَةِ وَهُوَ جَعْلُ 'مِنْكُمْ' لِلتَّبْعِيضِ إِلَخ . ۴۴

''آیت (آل عمران: ۱۰۴) کی تفسیر میں ہم نے وہ تفصیل ذکر کی ہے جو ہمارے شیخ استاذ امام (محمد عبدہ) نے رقم فرمائی ہے کہ راجح مختار

رائے یہ ہے کہ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ تجرید ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: لِيَكُنْ لِي مِنْكَ صَدِيقٌ، جس کا مطلب ہوتا ہے: تم میرے دوست بن جاؤ اور یہ کہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس خیر اعظم کے داعی بنیں جس کی اللہ نے انہیں ہدایت دی ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام انجام دیں، ہر شخص اپنی حالت واستطاعت کے مطابق، جیسا کہ دور اول کے مسلمانوں کا طریقہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی کارِ دعوت کے لیے جماعتیں بھی تشکیل پانی چاہئیں، جو اس کے لیے مطلوب تیاری کریں۔ یہ آخری بات یقینی قرار پاتی ہے، اگر آیت کی دوسری تاویل کی جائے، یعنی منکم کو تبعیض کے لیے مانا جائے۔''

تاہم ایک مقام پر خود شیخ محمد عبدہٗ اسے فرض کفایہ قرار دے دیتے ہیں:

(كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ) (۵:۷۸، ۷۹) إِلَخْ. فَأَخْبَرَ تَعَالَى أَنَّهُ لَعَنَ الْأُمَّةَ كُلَّهَا لِتَرْكِهِمُ التَّنَاهِيَ عَنِ الْمُنْكَرِ. نَعَمْ، إِنَّ هَذَا فَرْضُ كِفَايَةٍ إِذَا قَامَ بِهِ الْبَعْضُ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ، وَلَكِنْ لَا يَكْفِي فِي كُلِّ قُطْرٍ وَاحِدٌ كَمَا قَالَ بَعْضُ الْفُقَهَاءِ، بَلْ لَا بُدَّ أَنْ تَقُومَ بِهِ أُمَّةٌ مِنَ النَّاسِ، كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى لِتَكُونَ لَهُمْ قُوَّةٌ وَلِنَهْيِهِمْ وَأَمْرِهِمْ تَأْثِير۔ ۴۵

(كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ) اس آیت میں اللہ نے خبر دی کہ اس نے پوری امت پر لعنت نازل کی، اس وجہ سے کہ انھوں نے ایک دوسرے کو منکر سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ ہاں، بے شک یہ فرض کفایہ ہے، اگر کچھ لوگ اسے انجام دیں تو باقی لوگوں سے ساقط ہوجاتا ہے، لیکن یہ کافی نہیں ہے کہ ایک ملک میں صرف ایسا ایک شخص ہو، جیسا کہ بعض فقہا نے کہا ہے، بلکہ ضروری ہے کہ لوگوں کا ایک بڑا گروہ اس کام کو انجام دے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد بھی ہے، تاکہ انہیں قوت حاصل رہے اور ان کے امر ونہی کا اثر ہو۔

نیچے مذکور فتوے میں علامہ محمد رشید رضاؒ بھی فرض کفایہ والی رائے کو مساوی

اہمیت دیتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں:

الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر فى الأمور العارضة المعينة من فروض الكفاية، وقد يتعين وينحصر فى فرد إن لم يوجد غيره... وقد بيّنا فى تفسير قوله تعالى: وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (آل عمران:۱۰۴) أن فى جملة قوله تعالى: وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ وجهين (أحدهما) أنه يجب أن تتألف منكم جماعة تتعاون على القيام بهذه الواجبات، وهذه الجماعة يجب عليها أن تدرس ما يتوقف عليه الأمر والنهى بجميع فروعه (وثانيهما) أن معناها ولتكونوا أمة تدعو إلى الخير ...إلخ وكل من الوجهين صحيح، والثانى عام للأفراد كل أحد فيما يعرفه ويقدر عليه (ويراجع التفصيل فى الجزء الرابع، من تفسير المنار)۔

''درپیش متعین معاملات میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام فرض کفایہ میں سے ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا فرد موجود نہ ہو تو یہ فرض متعین طور پر موجود فرد پر عائد ہوجاتا ہے۔ ہم ارشاد باری تعالی (آل عمران: ۱۰۴) کی تفسیر میں واضح کرچکے ہیں کہ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ تمھارے ذریعے ایک جماعت تشکیل پائے، جو ان فرائض کی ادائیگی میں باہم تعاون کرے، اس جماعت کی ذمے داری یہ جائزہ لینا بھی ہوگا کہ امر ونہی کی تمام شاخوں کے لیے درکار ضرورتیں کیا ہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ اس جملے کا مطلب یہ مانا جائے کہ تم ایک ایسی امت بن جاؤ۔ دونوں صورتیں درست ہیں۔ دوسری صورت تمام افراد کے لیے ہے، ہر شخص جس قدر علم اور قدرت رکھتا ہو۔''

بہرحال شیخ رشید رضا نے اس بحث کو نتیجہ خیز رخ دیا ہے۔ وہ فرض کفایہ کو درپیش متعین برائیوں کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ بھلائی پھیلانے اور برائی مٹانے کی

عمومی جدوجہد کے لیے وہ پوری امت کو ذمے دار قرار دیتے ہیں اور امت میں اجتماعی جدوجہد کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس رخ پر گفتگو کو آگے بڑھانا چاہیے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے حوالے سے امت کی عملی رہ نمائی کے لیے تفصیلی خاکہ سازی کا کام ہونا چاہیے۔

خلاصۂ بحث

اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام دین میں بے انتہا اہمیت رکھتا ہے، پھر بھی علمائے اسلام کی بڑی تعداد اسے فرض کفایہ مانتی ہے۔ اس سلسلے میں اجماع یا کثرت کا دعوی بہرحال ثابت نہیں ہوتا۔ اولین دور میں فرض عین کا ذکر زیادہ ملتا ہے، جب کہ بعد کے دور میں فرض کفایہ کا چرچا زیادہ سنائی دیتا ہے۔ خاص منکر کو مٹانے کے معاملے میں فرض کفایہ والی رائے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے، لیکن امر بالمعروف ونہی عن المنکر کسی خاص بھلائی کو فروغ دینے یا کسی خاص برائی سے روکنے کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک وسیع میدان ہے، جو ہر انسان سے ہر آن اپنے رول کا تقاضا کرتا ہے۔ اسے فرض کفایہ نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ یہ کبھی مکمل ہوجانے والا کام نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اس کارِ عظیم کو فرض کفایہ مانا ہے ان کے سامنے آیت (آل عمران: ۱۰۴) رہی ہے، لیکن اس کا یہ مفہوم بلا تکلف لیا جاسکتا ہے کہ تم ایک امت بن جاؤ جو یہ سب کام انجام دے۔ یہ مفہوم اس کام کو فرض عین قرار دیتا ہے اور اس طرح دین کے اس قطب اعظم کا حق ادا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ فرض کفایہ ماننے سے دین کے اس قطب اعظم سے لاپروائی کا پورا امکان رہتا ہے، جس کا شکوہ ہمیں علمائے اسلام کے یہاں نظر آتا ہے۔ آخری بات یہ کہ یہ کام بہرحال بہت بڑے پیمانے پر اجتماعی چاہتا ہے اور اس جدوجہد کی ذمے داری پوری امت پر عائد ہوتی ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی، دار الکتب العلمیۃ، سنہ اشاعت موجود نہیں: ۲۱۹/۱۰

۲۔ شرح النووی علی مسلم (المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج)، ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی، دار إحیاء التراث العربی- بیروت،۱۳۹۲ھ،۲/۲۳

۳۔ شرح النووی علی مسلم :۲/۲۴

۴۔ إحیاء علوم الدین ، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، دار المعرفۃ ، بیروت، سنہ اشاعت موجود نہیں ہے۔۲/۳۰۶

۵۔ إحیاء علوم الدین :۲/۳۰۶

۶۔ تفسیر القرطبی (الجامع لأحکام القرآن)، ابوعبداللہ محمد بن أحمد شمس الدین القرطبی، دار الکتب المصریۃ ، القاہرۃ،۱۳۸۴ھ،۴/۴۷

۷۔ تفسیر القرطبی :۴/۱۶۵

۸۔ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین :۱۰/۲۱۹

۹۔ رسالۃ الشرک ومظاہرہ، مبارک بن محمد المیلی الجزائری، دار الرایۃ للنشر والتوزیع،۱۴۲۲ھ

۱۰۔ تفسیر الألوسی (روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی) ، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الألوسی، دار الکتب العلمیۃ — بیروت، ۱۴۱۵ھ،۲/۲۳۸

۱۱۔ مراتب الإجماع فی العبادات والمعاملات والاعتقادات، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت، سنہ اشاعت موجود نہیں ہے،ص ۱۷۶

۱۲۔ الإقناع فی مسائل الإجماع، علی بن محمد بن عبد الملک الکتامی الحمیری الفاسی، أبو الحسن ابن القطان، الفاروق الحدیثۃ للطباعۃ والنشر ،۱۴۲۴ھ،۱/۶۲

۱۳۔ الإقناع فی مسائل الإجماع :۲/۳۰۶

۱۴۔ المحلی بالآثار، ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری، دار الفکر — بیروت، سنہ اشاعت موجود نہیں ہے،۸/۴۲۳

۱۵۔ مزید دیکھیں: المحلی بالآثار :۱۱/۲۲۸) اور المحلی بالآثار،۱/۴۶

۱۶۔ التمہید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید، ابوعمر یوسف بن عبد اللہ النمری القرطبی، وزارۃ عموم الاوقاف والشؤون الإسلامیۃ ، المغرب،۱۴۲۳ھ،۲۳/۲۸۱

۱۷۔ البیان والتحصیل والشرح والتوجیہ والتعلیل لمسائل المستخرجۃ ، ابوالولید محمد بن احمد بن رشد القرطبی، دار الغرب الإسلامی، بیروت ، لبنان، ۱۴۰۸ھ،۱۸/۳۷

۱۸۔ البیان والتحصیل :۱۸/۳۳۰

۱۹۔ البیان والتحصیل :۱۸/۴۲۵

۲۰۔ انوار البروق فی انواء الفروق، ابو العباس شہاب الدین احمد بن دریس القرافی، عالم الکتب، سنہ اشاعت موجود نہیں ہے۔۲۵۶/۴

۲۱۔ جامع الأمہات، عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس، ابو عمرو جمال الدین ابن الحاجب، الیمامۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۲۱ھ، ۵۶۸

۲۲۔ الرسالۃ، أبو محمد عبد اللہ بن (أبی زید) عبد الرحمٰن النفزی القیروانی، دار الفکر، ۱۵۵

۲۳۔ الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی، احمد بن غانم بن سالم ابن مہنا، شہاب الدین النفراوی، دار الفکر، ۱۴۱۵ھ، ۲۹۸/۲

۲۴۔ کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابی زید القیروانی، ابو الحسن علی بن خلف المنوفی، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ، ۵۶۸/۲

۲۵۔ حاشیۃ العدوی علی کفایۃ الطالب الربانی، ابو الحسن علی بن احمد بن مکرم الصعیدی العدوی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ، ۴۳۵/۲

۲۶۔ مختصر خلیل، خلیل بن اسحاق بن موسی، ضیاء الدین الجندی، دار الحدیث، القاہرۃ، ۱۴۲۶ھ، ص ۸۸

۲۷۔ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر (بلغۃ السالک لأقرب المسالک)، ابو العباس احمد بن محمد الخلوتی الصاوی، دار المعارف، ۱۴۱۶ھ، ۴۳۴/۴

۲۸۔ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمٰن بن تمام بن عطیۃ الأندلسی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ، ۴۸۶/۱

۲۹۔ أحکام القرآن، محمد بن عبد اللہ ابو بکر بن العربی، دار إحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۰ھ، ۳۸۳/۱

۳۰۔ البحر المحیط فی التفسیر، ابو حیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ، ۲۸۹/۳

۳۱۔ الأم، ابو عبد اللہ محمد بن إدریس الشافعی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۰ھ، ۹۸/۷

۳۲۔ الرسالۃ، ابو عبد اللہ محمد بن إدریس الشافعی، مکتبہ الحلبی، مصر، ۱۳۵۸ھ، ۳۵۷/۱

۳۳۔ السنن الکبری، احمد بن الحسین ابو بکر البیہقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، ۱۵۳/۱۰

۳۴۔ الأحکام السلطانیۃ، ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، دار الحدیث—القاہرۃ، ۱۴۲۷ھ

۳۵۔ المبسوط، محمد بن احمد السرخسی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ، ۱۳۰/۱۰

۳۶۔ المبسوط:۱۱/۱۷ ۳۷۔ المبسوط:۱۵/۱۳۵

۳۸۔ احکام القرآن، احمد بن علی ابوبکر الرازی الجصاص، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۵ھ، ۲/۳۷

۳۹۔ اسالیب القرآن، رسائل الإمام عبدالحمید الفراہی، الدائرۃ الحمیدیۃ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۹۸

۴۰۔ مجموع الفتاوی، تقی الدین أبو العباس أحمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ الحرانی، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، المدینۃ النبویۃ، ۱۴۱۶ھ، ۱۵/۱۶۵

۴۱۔ مجموع الفتاوی: ۲۸/۱۲۵

۴۲۔ التکمیل فی أصول التأویل، رسائل الإمام عبدالحمید الفراہی، الدائرۃ الحمیدیۃ، ۱۹۹۱ء، ص ۲۵۳

۴۳۔ تفسیر المنار (تفسیر القرآن الحکیم)، محمد رشید بن علی رضا، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۹۰ء، ۴/۲۸

۴۴۔ تفسیر المنار: ۹/۲۶۲ ۴۵۔ تفسیر المنار: ۲/۴۲

۴۶۔ مجلۃ المنار، المکتبۃ الشاملۃ، ۳۴/۳۵۵

قرآن اور اہلِ کتاب

حکایت۔عبرت۔نصیحت

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب (یہود ونصاری) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات، ان کی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کی تفصیلات اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اہلِ کتاب کے اس مفصل تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت ونصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اور اس سے انہیں کیا رہ نمائی ملتی ہے؟ اس کتاب میں ان موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری کا مبسوط مقدّمہ بھی ہے۔

صفحات: ۳۰۴ قیمت =/۱۶۰ روپے

فکری انحراف: شکلیں، اسباب اور تدارک

مولانا محمد صادر ندوی

موجودہ دور میں مسلمانوں کو عالمی سطح پر جن بڑے مسائل کا سامنا ہے، ان میں ایک سنگین اور حساس مسئلہ فکری انحراف کا ہے۔ یہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک عظیم کش مکش ہے، جو ازل سے جاری ہے۔ اس وقت اس کے اثرات تیزی سے مسلم نوجوانوں میں پھیل رہے ہیں اور اس کے نتیجے کے طور پر ارتداد، الحاد، دہریت، لادینیت اور سیکولرازم جیسے نظریات کو قبول کرنے کی راہیں ہموار ہو رہی ہیں۔ انسان کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی چیز، اس کے افکار و خیالات اور عقائد و نظریات ہوتے ہیں۔ اس کے انفرادی و اجتماعی معاملات، اس کے شب و روز کی سرگرمیاں، اس کے اخلاق و کردار اور دوسروں کے ساتھ اس کے روابط، انہی کے سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ اس بنا پر یہ حساس مسئلہ اس وقت مفکرین اور دانش وروں کی توجہ کا سب سے زیادہ مستحق موضوع بن گیا ہے۔

زیر نظر مضمون میں اسی پر گفتگو کی جائے گی۔ فکری انحراف کے مفہوم اور اس کی موجودہ شکلوں کو بیان کرتے ہوئے اس کے اسباب و عوامل اور قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا حل ڈھونڈنے کی سعی کی جائے گی، ان شاء اللہ۔

انحراف کیا ہے؟

سب سے پہلے یہ سوال ابھرتا ہے کہ انحراف کس چیز کا نام ہے؟ اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ ماحول، سوسائٹی، مذہب اور عقیدہ کے فرق سے اس کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے سودی کاروبار حرام ہے، جب کہ غیر اسلامی نظریات اس کا

جواز فراہم کرتے ہیں۔اسلام نے بدکاری کو ایمان کے منافی عمل قرار دیا ہے اور وہ اس پر سزا نافذ کرتا ہے، جب کہ مغربی نقطۂ نظر سے اگر بدکاری کے ارتکاب میں فریقین کی رضامندی شامل ہے تو وہ جرم نہیں ہے۔مسلم سوسائٹی میں عورتوں کے لیے پردہ واجب ہے، جب کہ دوسری طرف پردہ کرنا جرم قرار پاتا ہے، وعلیٰ ہذا۔

انحراف کے لیے انگریزی میں Deviation کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ کیمبرج ڈکشنری میں اس کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے:

To do something that is different from the usual or common way of behaving.1

''عام معمولات کے خلاف کچھ کرنا۔''

اس تعریف کی رو سے سماج کے معمولات کے خلاف کوئی بھی عمل انحراف کے درجہ میں آئے گا۔مثلاً تہوار کے موقع پر تہوار نہ منانا، سماجی پروگراموں میں شرکت نہ کرنا، سماجی مسلّمات اور عقائد کا انکار کرنا، یہ تمام چیزیں انحراف کے دائرے میں آئیں گی۔ انحراف کی ایک دوسری تعریف اس طرح کی گئی ہے:

Behavior that is out of common and possible predictions in the context of social structure.2

''ایسا برتاؤ جو سماجی ڈھانچے کے تناظر میں عام معمول اور ممکنہ توقعات کے خلاف ہو۔''

اسلامی نقطۂ نظر سے بھی انحراف کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں مثلاً:

الانحراف ضد الاستقامة ، وهو الميل عن طاعة اللّٰه ورسوله، والوقوع فی المحرمات فيما يتعلق بالعبادات والمعاملات والأخلاق. ۳

''انحراف استقامت کی ضد ہے۔انحراف نام ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے روگردانی اور عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے باب میں محرمات کے ارتکاب کا۔''

منحرف رویہ کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر عمر تومی شیبانی لکھتے ہیں:

كل فعل أو نشاط أو تصرف فيه خروج عن قيم ونظم وتقاليد المجتمع الأصيلة أو عن القيم الدينية والخلقية أو عن القواعد الدينية أو معايير السلوك السوي۔[۴]

''ہر وہ سرگرمی یا عمل جس سے سماج کی بنیادی رسوم وروایات کے خلاف بغاوت ظاہر ہو، یا پھر دینی اور اخلاقی قدروں، دینی بنیادوں اور سیدھے راستے سے بغاوت کی جائے۔''

مفکرین اور دانش وروں نے انحراف کی کئی قسمیں بیان کی ہیں، مثلا: سیاسی، قانونی، سماجی، اخلاقی، فنّی، جنسی اور فکری۔ زیر بحث موضوع میں اسی آخری اور سب سے اہم قسم پر گفتگو کی جائے گی۔

مذکورہ بالا تعریفات سے اسلامی نقطۂ نظر سے فکری انحراف کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے:

كل خروج فكري عن جادة الوسط والاعتدال المقرّر في الشريعة الاسلامية۔[۵]

''اعتدال اور میانہ روی کی جو حد شرعاً مقرر کی گئی ہے، اس کے خلاف جانے کو فکری انحراف کہا جاتا ہے۔''

یا پھر فکر وخیال کی دنیا میں پائی جانے والی کمی اور کجی کو فکری انحراف کہا جاتا ہے:

الانحرافات الفكرية تطلق على الميل والزيغ في عالم الفكر والتصور۔[۶]

سادہ لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ فطرت کی راہ سے ہٹ جانے کو انحراف کہا جاتا ہے، اگر یہ انحراف فکری نوعیت کا ہو، یعنی اگر انسان فطرت سلیمہ کی آواز سے ہٹ کر اپنی فکر کی آبیاری کرے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی کے رخ کو متعین کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص فکری انحراف کا شکار ہے۔

خالق کائنات نے نوع انسانی کے مفاد میں جس نظام زندگی کو ترجیح دی ہے، وہ بلاشبہ اسلام کا نظام ہے، جو انسان کو دنیوی واخروی دونوں زندگی میں یکساں فلاح وکامرانی

کی ضمانت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کو اسی حد تک آزادئ فکر ونظر کی اجازت ہے جتنی اس کے حق میں مفید ہے۔ قرآن کریم کا یہ عام اسلوب ہے کہ وہ بندوں کو انفس وآفاق میں پھیلی نشانیوں پر غور وخوض کی بار بار دعوت دیتا ہے، ان میں پوشیدہ حکمتوں اور اسرار ورموز کو خالقِ کائنات کی معرفت کا ذریعہ قرار دیتا ہے اور کئی مقامات پر خود اشیاء کی حکمتوں کو واضح بھی کر دیتا ہے، جس سے انسان کو اسی نہج پر سوچنے اور غور وفکر کرنے کا سبق ملتا ہے، لیکن جب انسان اس نہج سے اعراض کرتے ہوئے محض اپنی عقل، علم اور تجربات پر بھروسہ کرکے اور اسی کو حاکم کل مان کر اپنا سفر شروع کرتا ہے تو پھر وہ انحراف کی بھیانک وادی میں بھٹکنے لگتا ہے۔

فکری انحراف کی موجودہ شکلیں

اس وقت فکری انحراف کی جو شکلیں مسلم معاشرہ میں رائج ہیں اور اس کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں مغرب کی اندھی تقلید، عقلیت پرستی، معتدل اسلام کا نعرہ، احترام مذاہب کے نام پر دینی اقدار واصول سے سمجھوتا، بے راہ روی، اسلام کے بنیادی مصادر (قرآن وسنت) سے بے اعتنائی یا ان دونوں میں تفریق، وغیرہ۔ انحراف کی یہ تمام شکلیں اس وقت ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان پر مختصراً گفتگو کی جائے، پھر اس کے اسباب وعوامل تلاش کیے جائیں:

(الف) مغرب کی اندھی تقلید

اسلام کے ابدی احکام وقوانین اور اسلامی نظام زندگی کو ناقابل عمل گردانتے اور اس کے مقابلے میں زندگی کے تمام گوشوں میں مغرب کی اندھی تقلید کا رجحان اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ اس کے بغیر کارگہۂ حیات میں ترقی کو دشوار، بلکہ اسلام ہی کو ترقی کی راہ میں مانع تصور کیا جارہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گزشتہ تین سو برسوں میں یورپ نے سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں کافی ترقی کی ہے۔ لیکن یہ تصور کہ یہ ترقی مذہب سے بغاوت کے نتیجے میں ہوئی ہے، کلیسا کے سلسلے میں تو درست قرار دیا جاسکتا ہے، البتہ

اسلام کو اس نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا، کیوں کہ اس نے اپنی تہذیب کی بنیاد 'اقرأ' اور 'علّم الانسان مالم یعلم' پر رکھی ہے۔ مغرب کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس نے اپنی تہذیب کی بنیاد عقلیت اور مادیت پرستی پر رکھی ہے۔ کلیسا سے بغاوت کے نتیجے میں اس نے مذہب تو دؤ رانسانی اقدار اور اخلاقی اصولوں کا بھی پاس نہیں رکھا۔ اقبال نے مغربی تہذیب کی انہی خام بنیادوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام، وائے تمنائے خام

نپولین کے حملے کے بعد عالم اسلام میں جو اصلاحی تحریکیں اٹھیں اور جن افراد نے مسلمانوں کو ان کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کی راہیں دکھائیں، ان میں ایک طرف تو مصر میں حسن البنّاؒ کی تحریک اٹھی، الجزائر میں شیخ عبد الحمید بن بادیسؒ کی تحریک برپا ہوئی، فلسطین میں شیخ عزالدین قسامؒ نے علَم تجدید بلند کیا، ہندوستان میں علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ کی تحریکیں اٹھیں اور ترکی میں شیخ نورسیؒ کی تحریک قائم ہوئی۔'' ے ایک طرف ان تحریکات نے مغربی طرز زندگی پر تنقید کی، اس کی خامیوں کو اجاگر کیا اور عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے پیہم کوششیں کیں۔ وہیں دوسری طرف ایسے مغرب زدہ مفکرین بھی پیدا ہوئے جنھوں نے مسلمانوں کی ترقی کا راز مغرب کی اندھی تقلید ہی جانا۔ چنانچہ طٰہٰ حسین نے 'مستقبل الثقافۃ فی مصر' لکھ کر صرف طرز حیات ہی میں نہیں، بلکہ عقائد و مسلمات اور افکار و نظریات میں بھی مغرب کی پیروی کا نعرہ بلند کیا اور جو لوگ عقائد و مسلّمات کے معاملے کو چھوڑ کر دیگر معاملات میں ان کی پیروی کرتے تھے، ان کے اس عمل کو نفاق سے تعبیر کیا۔ ۸ اس کے علاوہ کئی کتابیں منظر عام پر آئیں، جن میں دین کو حکومت سے بے دخل کر دینے پر زور دیا گیا۔ ان کتابوں میں بتایا گیا تھا کہ اسلام میں دراصل حکومت

یا ریاست کا کوئی نظام یا خانہ ہے ہی نہیں، اور یہ کہ اسلام محض ایک روحانی مذہب ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مغربی مفکرین نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ Radical islam (ایسا اسلام جو شریعت پر مبنی اصولوں پر اقتدار کا قائل ہے) کے بانی سید قطب ہیں۔اس سے یہ غلط فہمی پیدا کرنا مقصود تھا کہ محمد ﷺ کے ذریعہ جو اسلام آیا تھا، وہ اقتدار و سیاست کا قائل نہیں ہے۔

(ب) عقلیت پرستی: (Rationalism)

مغرب کی اندھی تقلید کے نتیجہ میں لوگوں میں عقلیت پرستی (Rationalism) کا رجحان دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے۔ Rationalism کا نظریہ عصر جدید کے فلاسفر میں سب سے پہلے René Descartes (م ۱۶۵۰) نے پیش کیا۔اس نے اپنی کتاب Meditations on First Philosophy میں اس نظریہ کو تفصیل سے بیان کیا کہ پہلے مرحلے میں ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھا جائے، پھر عقل کے ذریعہ اس کے ثابت ہونے کے بعد اس کے وجود پر یقین کیا جائے۔ موصوف حسّی ادراک کے ذریعہ حاصل شدہ علم پر یقین کے قائل نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح انسان خواب میں بہت سی چیزیں دیکھتا ہے اور ان کو حقیقت سمجھتا ہے، حالاں کہ بیداری کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ محض ایک خواب تھا، اسی طرح یہ ممکن ہے کہ ہم خواب کی ایک بڑی دنیا میں جی رہے ہوں اور اس کو حقیقت سمجھ رہے ہوں۔اس لیے ضروری ہے کہ ہر چیز کو عقل کے پیمانے پر رکھ کر جانچا جائے، یہاں تک کہ اس کا درست ہونا عقل کے ذریعہ ثابت ہو جائے۔[9] لیکن موصوف کا یہ مفروضہ جب خود عقل کے خلاف نکلا تو انھوں نے آگے بڑھ کر یہ کہہ دیا کہ ''ہمیں یہ فرض کر لینا چاہیے کہ ہم نیند کی حالت میں ہیں۔ آنکھوں کا کھلنا، سر، ہاتھ پیر وغیرہ کا ہلنا، یہ سب جھوٹے خواب ہیں۔''[10] یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ موصوف کے اس منہج تحقیق کا تعلق صرف محسوسات سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ذات باری کے سلسلے میں عقل کو متناہی اور محدود (Limited) جب کہ اللہ کی ذات کو لامتناہی

اور غیر محدود اور عقل کے ذریعہ اس کے ادراک کو ناممکن تصور کیا ہے۔[۱۱] مذہب کے سلسلے میں اس نظریہ کا موقف یہ ہے کہ تمام انسانی علم فطری صلاحیتوں کے ذریعہ حاصل کیے جاسکتے ہیں، اس کے لیے کسی ما فوق الفطرت چیز یا وحی کی ضرورت نہیں ہے۔[۱۲] اس طرح وحی، الہام، نبوت ورسالت، معجزات اور خرق عادت چیزوں کا کلّی انکار کر دیا گیا۔

عقلیت اور مذہبیت کے درمیان ٹکراؤ کی صورت اولاً یورپ میں پیدا ہوئی۔ جب پادریوں نے ہر قسم کی علمی ایجادات واکتشافات پر کفر وارتداد کے فتوے لگائے، زمین کے گول ہونے کے خیال کو کتاب مقدس کے اعتقاد کے خلاف سمجھا، سائنس اور مذہب کو ایک دوسرے کے متضاد قرار دیا تو اس کے نتیجے میں یہ رائے قائم ہوگئی کہ مذہب سراسر علم اور حقیقت کے خلاف ہے۔[۱۳]

قرآن کریم کا عقل کے سلسلے میں نقطۂ نظر بالکل واضح ہے۔ اس نے کائنات میں پھیلی اللہ کی بے شمار نشانیوں پر غور وخوض کرنے کی تلقین کی ہے اور جو لوگ اپنی عقل کا استعمال نہیں کرتے، ان کو چوپایوں اور جانوروں سے بدتر قرار دیا ہے۔[ملاحظہ ہو: البقرۃ: ۱۶۴، ۱۷۰۔ آل عمران: ۱۹۰، الاعراف: ۱۷۹، الروم: ۹، الزمر: ۲۱]۔ اسلام نے عقل کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے محروم ہوجائے تو وہ شرعی احکام کا مکلّف نہیں رہتا۔[۱۴] فقہاء نے جن پانچ چیزوں کی حفاظت کو شریعت اسلامی کے مقاصدِ اصلیہ میں شمار کیا ہے، ان میں ایک 'عقل' بھی ہے۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ Rationalism نے عقل کو مستقل بالذات تصور کیا ہے، جب کہ قرآن اس کے دائرہ کو محدود کرتے ہوئے وحی کی روشنی میں غور وخوض کی دعوت دیتا ہے۔ ''عقل محدود ہے، اس کے لیے اتنی دلیل کافی ہے کہ آنکھ کے اندر دیکھنے کی صلاحیت موجود ہے، لیکن وہ دوپہر کی سخت دھوپ میں سورج کی حقیقت کو براہ راست دیکھنے کی استطاعت نہیں رکھتی۔''[۱۵] کان کے اندر سننے کی صلاحیت ہے، لیکن کسی بھی انسانی کان میں 20 kHz سے زیادہ سننے کی صلاحیت نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے اندر کوئی بھی صلاحیت غیر محدود نہیں ہے، پھر عقل کو کیسے غیر محدود تصور کیا جاسکتا ہے؟

(ج) معتدل اسلام کا نعرہ

مغرب کی طرف سے نئی نئی اصطلاحات کی ایجاد مشرق ومغرب کے درمیان جاری فکری جنگ میں ایک مؤثر ہتھیار ہے، جس کا فائدہ مغرب کو خوب مل رہا ہے۔ انہی میں سے ایک اصطلاح 'معتدل اسلام' (Moderate Islam) کی ہے، جسے امریکی حکومت کے زیر سایہ پروان چڑھایا گیا۔ اس اصطلاح کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ باور کرایا گیا کہ قرآن وسنت سے ماٴخوذ اسلام اپنی معنویت کھو چکا ہے۔ دنیا میں اس وقت جتنے بھی دہشت گردی اور تشدد کے واقعات پیش آرہے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہی اسلام ہے۔ RAND Corporation نے ۲۰۰۲ میں کیے گئے اپنے ایک سروے میں Radical Islam (قدامت پرستی) اور Moderate Islam کے درمیان فرق کرنے کے لیے چند سوالات قائم کیے تھے:

> Do they seek to establish an Islamic state or are they willing to accept secular forms of government?
> Do they insist on the application of Islamic or sharia law, or do they accept other sources of law?
> Do they deny women equal rights, including the right to political participation?
> Do they support the education and advancement of women? Would they allow freedom of worship?[۱۶]

> ''یہ دیکھا جائے کہ کیا وہ اسلامی حکومت کا قیام چاہتے ہیں یا سیکولر طرز حکومت کو تسلیم کرتے ہیں؟
> کیا ان کے نزدیک صرف اسلامی شریعت قابل قبول ہے یا وہ دوسرے قوانین کو بھی مانتے ہیں؟
> وہ عورتوں کے مساویانہ حقوق بالخصوص سیاسی امور میں ان کی شرکت کو گوارا کرتے ہیں یا نہیں؟ وہ عورتوں کی تعلیم اور ترقی کی تائید کرتے ہیں یا نہیں؟ وہ لوگوں کو عبادت کی آزادی دیتے ہیں یا نہیں؟

ان سوالات کی روشنی میں معتدل اسلام کا مفہوم سمجھنا بہت آسان ہوجاتا ہے کہ جو اسلام سیاست کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالے وہ 'معتدل اسلام' ہے، جب کہ اس کے برخلاف سیاست کو اپنا حق سمجھنے والا اسلام Radical ہے۔ دنیا بھر میں ہونے والے فسادات اور دہشت گردی کی جڑ یہی Radical islam ہے۔ RAND Corporation نے ۲۰۰۷ء کے اپنے ایک بیان میں ماڈرن یا معتدل اسلام کے لیے یہ معیارات مقرر کیے تھے:

''وہ ڈیموکریسی نظریہ کو قبول کرے، قانون سازی میں شرعی قوانین کے بجائے جدید قوانین کو ترجیح دے، دہشت گردی اور تشدّد سے دوری اختیار کرے، اس فکر کے استحکام کے لیے شرعی نصوص کو اسلامی فکریہ سرمایہ سے باہر نکال دے اور (ان کے بنائے ہوئے معیار کے مطابق) عورتوں کا احترام اور اقلیتوں کے حقوق کو تحفظ دے۔''[۱۷]

اسلامی دنیا میں اس فکر کی ترویج کے لیے جو طریقے اپنائے گئے ان میں 'صوفی اسلام' کا پروپیگنڈہ، اس کی حمایت اور اس کے حاملین کے ساتھ معاہدے وغیرہ شامل ہیں۔ RAND نے اپنے ایک بیان میں واضح کیا کہ عالم اسلام میں اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے اور انتہا پسندوں کے ہاتھ سے مظلوم اسلام کو چھٹکارا دلانے کے لیے صوفیہ کی پشت پناہی اور ان کو اپنا شریک عمل سمجھنا ضروری ہے۔[۱۸]

اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہوکر بعض اہم اسلامی ممالک نے اس کو اپنی پالیسی کا حصہ بنایا، اس اصطلاح کو سامنے رکھ کر اسلام کو ایک نئے رخ دینے کی بات کہی اور اسی کو حقیقی اسلام قرار دیا۔[۱۹]

معتدل اسلام کے نعرہ کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس نے اسلام کو دو خانوں میں تقسیم کردیا۔ جب معتدل اسلام کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ غیر معتدل یعنی تشدّد پسند اسلام بھی ہے، حالاں کہ یہ اسلام پر سب سے بڑا الزام ہے، جو خالص عصر حاضر کی دین ہے۔ بعثتِ نبوی سے یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام کی بیخ کنی کے ہزار جتن کیے؛ لیکن انھوں نے کبھی اسلام کو غیر معتدل کہنے کی ہمت نہیں کی۔

کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ اسلام فی نفسہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی تقسیم کی جا سکے۔

(د) احترام کے نام پر ادیان و مذاہب کی توثیق

روئے زمین پر مختلف ادیان و مذاہب کا وجود ایک حقیقت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیّت قرار دیا ہے۔ تکثیری سماج کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے بہت سے نام نہاد اسلامی مفکرین مذاہب کو گل دستہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکل کر سامنے آتا ہے کہ اسلام اور دیگر مذاہب میں صرف جزوی فرق ہے، اصلاً وہ ایک ہی ہیں۔ حالاں کہ یہ نظریہ عقلاً اور شرعاً دونوں طرح سے درست نہیں ہے۔ عقلاً اس لیے کہ جن کتابوں کا لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے محرّف ہونا ثابت ہے، ان کے برابر ایسے دین کو رکھنا جس کے بنیادی نصوص تمام تحریفات سے مبرّا ہیں اور جن کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، غیر معقول بات ہے۔ یہ اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ جب دو چیزوں میں اصولی طور پر فرق پایا جاتا ہو تو ان کو ایک جیسا قرار نہیں دیا جا سکتا۔[۲۰] شرعاً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت محمد ﷺ کے ذریعے لائے گئے دین کی تعریف و توثیق کی ہے اور اسی کو اپنا آخری اور پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اس امر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس آخری اور ابدی دین کو محرّف ادیان کے مساوی قرار دیا جائے۔

یہ نظریہ 'وحدتِ ادیان' یا 'تقریب بین الادیان'[۲۱] کے تصور سے ملتا جلتا معلوم ہوتا ہے، جو عصر حاضر کے پُر فریب اور دل کش نعروں میں سے ہے۔ اس کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ عقائد و تصورات اور افکار و نظریات میں اگرچہ مذاہب کے درمیان اصطلاحات کا فرق ہے، لیکن حقیقت میں سب کا ایک ہی مقصد ہے۔

ادیان و مذاہب کے احترام کے سلسلے میں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کسی بھی مذہب یا اس کے ماننے والے کو برا بھلا نہیں کہا جائے گا (الانعام:۱۰۸)۔ لیکن اس کی تعریف و توثیق، اس کی ہمت افزائی یا اس کے ماننے والوں کو برحق سمجھنا نہیں ہے۔ قرآن نے اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی خامیوں کو اجاگر کیا ہے اور ان منکرین حق کی

عقل کو اپیل کرتے ہوئے ان کو دین حق کی دعوت دی ہے۔اس سلسلہ میں اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ پیش کیا ہے، جنھوں نے کفر وشرک میں مبتلا افراد سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہوئے حق وباطل کے درمیان دائمی جنگ کا اعلان کیا تھا۔(الممتحنہ:۴) علامہ ابن عاشورؒ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ نکتہ پیش کیا ہے:

> ''براءت کا یہ اعلان حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی طرف سے منکر کو زبان سے برا کہنے کی اعلیٰ مثال ہے۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ اپنی طاقت کے بل پر کفر کو روک سکیں تو انھوں نے زبان سے روکنے کی اعلیٰ مثال پیش کی۔''[۲۲]

اس آیت کریمہ نے مسلمانوں کو صاف طور پر بتادیا ہے کہ غیر مسلموں سے ہمارے انسانی تعلقات بہر حال برقرار رہیں گے؛ لیکن ان کے مذہب اور عقائد کے سلسلے میں ہمارے اور ان کے درمیان کبھی اتفاق نہیں ہوسکتا۔

(ہ) قرآن وسنت کی معنوی تحریف

قرآن وسنت میں تحریف اور غلط تاویل شروع دور سے باطل پسندوں کا وتیرہ رہا ہے۔ موجودہ دور میں جدید مفکرین کی ایک بڑی تعداد ہوگئی ہے، جو مغرب کی عقل پرستی سے مبہوت ہوکر یا مادی اغراض کے حصول میں قرآن وسنت کی من مانی تاویلات کرتی ہے۔قرآنی آیات میں تحریف کا راستہ سنت سے ہوکر گزرتا ہے۔اسی وجہ سے ان کی پہلی کوشش حدیث کا انکار، استخفاف یا تاویل ہوتی ہے۔ اس کام میں ان کے لیے سب سے بڑی دلیل ان کی عقل ہوتی ہے، حالاں کہ اصلاً وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر مستشرقین کے ان افکار ونظریات سے متأثر ہوتے ہیں، جو وہ حجیتِ حدیث کے سلسلے میں کرتے ہیں۔ احادیث کے مشکوک ہو جانے کے بعد ان کے پاس یہ موقع ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کی تفسیر میں مروی روایات سے صرف نظر کرتے ہوئے، من پسند تاویلات کریں۔ پھر ان کے لیے یہ کہنا آسان ہوجاتا ہے کہ'' ملائکہ سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں جو انسانی قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں، جنت وجہنم مقامات نہیں انسانی ذات

کی کیفیات ہیں، انکشاف حقیقت کی روشنی (ذریعہ یا واسطہ) کو جبرئیل سے تعبیر کیا گیا ہے، رسول اکرم ﷺ کو قرآن کے سوا کوئی معجزہ نہیں دیا گیا، صدقات ان ٹیکسوں کا نام ہے جو حکومت اسلامیہ کی طرف سے ہنگامی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے عائد کیے جاتے ہیں، انہی میں سے صدقۂ فطر ہے۔''۲۳ البتہ تحریف قرآن وحدیث کے باب میں مستشرقین اور جدید اسلامی مفکرین میں اتنا فرق ضرور ہے کہ اول الذکر اسلام کو بدنام کرنے کی غرض سے یہ ساری کوششیں انجام دیتے ہیں اور ثانی الذکر جدید دور کے مطابق اسلام کو ڈھالنے کے خیر خواہانہ جذبہ کے ساتھ، لیکن نتیجہ دونوں کا ایک ہی نکلتا ہے۔

(و) درایت اور عقل کا فرق

ثانی الذکر طبقہ جس مقام پر خط مستقیم سے انحراف کرتا ہے وہ حدیث کا درایتی پہلو ہے۔ اس میں خلط مبحث یہ ہوا ہے کہ درایت کو عقل کا مرادف سمجھ لیا گیا ہے، یعنی درایت کا مطلب یہ نکالا جاتا ہے کہ وہ بات کسی بھی انسان کی عقل کے خلاف نہ ہو۔ نتیجتاً ہر شخص اپنی اپنی عقل کے اعتبار سے حدیث کے قبول یا انکار کا اپنے آپ کو اہل سمجھنے لگتا ہے۔ یہ اپنی جگہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ: ''ہر وہ حدیث جو عقل یا اصول کے خلاف ہو تو جان لو کہ وہ موضوع ہے، ایسے موقع پر یہ دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے رواۃ کس درجہ کے ہیں، ان پر محدثین نے کلام کیا ہے یا نہیں۔''۲۴ لیکن یہاں عقل سے مراد عقل سلیم ہے، ورنہ دین کھلواڑ بن جائے گا۔ اسی طرح درایتی پہلو سے بھی یہ کام وہی لوگ انجام دیں گے جنھوں نے اس میدان کی خاک چھانی ہو۔ ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی لکھتے ہیں:

> ''علم درایت درحقیقت ایسے ملکہ کا نام ہے، جو حدیث رسول سے بہت زیادہ ممارست کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح ایک جوہری جوہر پرکھنے کے راز کو مدتوں اس میں وقت لگانے کے بعد حاصل کرتا ہے، اسی طرح درایت کا ملکہ بھی حدیثِ رسول سے طویل مشق وممارست کے بعد حاصل ہوتا ہے۔''۲۵

درج بالا اقسام کے علاوہ فکری انحراف کی اور بھی کئی شکلیں ہمارے معاشرہ

میں پائی جاتی ہیں، جیسے اسلام کے ابدی احکام وقوانین اور اسلامی نظام زندگی کو ناقابل عمل گردانا، ان کے بارے میں یہ تصور رکھنا کہ اب ان میں نئے دور کے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اسی طرح اسلامی تاریخ اور اسلامی شخصیات کو دین میں شک وشبہ پیدا کرنے کی غرض سے مطعون کرنا، وغیرہ۔

فکری انحراف کے اسباب وعوامل

فکری انحراف کے اسباب وعوامل کئی ایک ہو سکتے ہیں۔ ذیل میں چند مخصوص اسباب کا ذکر کیا جارہا ہے، جو براہ راست اس طرح کے فکری رویّوں کی طرف لے جاتے ہیں:

(الف) مغربی یلغار

صلیبی جنگوں کے بعد سے مغرب کی طرف سے عالم اسلام پر جو فکری یلغار ہوتی رہی ہے، وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرنے میں سب سے بڑا مؤثر ہتھیار ثابت ہوئی ہے۔ برسہا برس کی کوششوں اور ریشہ دوانیوں کے بعد انھیں تجربہ ہو چکا تھا کہ مسلمان کو اسلام کس قدر عزیز ہے اور اس کا اسلام کو چھوڑ دینا محال ہے۔ اب ان کو یہی راستہ سجھائی دیا کہ وہ ذہنوں کے راستے آئیں اور مسلمان کی زندگی کو اسلامی اثرات وکردار سے دوٗر کردیں اور اسے ایسی قابلِ رحم حالت میں چھوڑ دیں کہ نہ وہ مسلمان کہلا سکے اور نہ غیر مسلم۔[۲۶] فکری یلغار کے مغربی منصوبے کا اندازہ درج واقعہ سے کیا جا سکتا ہے:

> ''مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں مسیحی تبلیغ کے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ایک کانفرنس بلائی گئی۔ اس تبلیغی مشن کا ذمہ دار چوں کہ زویمر تھا اس لیے اس پر ایک ذمہ دار رکن نے بڑی سخت تنقید کی اور کہا کہ بے شمار روپیہ خرچ کیا گیا، تمام تدبیریں کام میں لائی گئیں، اس کے باوجود ایک شخص بھی عیسائی بن نہ سکا اور ساری کوششیں ایک مسلمان کو بھی اس کے عقیدے سے پھیرنے میں بارآور نہ ہوسکیں۔ اس کا جواب زویمر کے پاس کیا ہے؟ کیا یہ ان کی ناکامی کا ثبوت نہیں؟ اس کے جواب

میں زویمر نے کہا: مسلمانوں کو عیسائی بنانا ہمارے پروگرام میں نہیں ہے اور ہم ایسا کر بھی نہیں سکتے ۔ ہمارا مقصد مسلمانوں کو اسلام سے دور کر دینا ہے اور یہی ہمارے لیے بہت ہے، چاہے وہ ہمارے دین میں شامل نہ ہوں۔'' ۲۷

فرنچ مستشرق Alferd Le Chatelier نے لکھا ہے:

''فرانس کو چاہیے کہ مشرق میں اپنا کام (تبلیغ عیسائیت) مشرق میں رہنے والے لوگوں کی عقلی وفکری تربیت سے شروع کرے، تاکہ مشنری کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ اس عمل کی انجام دہی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی مخصوص پالیسی پر اکتفا نہ کریں، بلکہ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں نظام تعلیم کا سہارا لینا ہوگا۔'' ۲۸

عیسائی مشنریز کی سرگرمیوں سے واقفیت رکھنے والے افراد بہ خوبی جانتے ہیں کہ صلیبی جنگوں کے خاتمے کے بعد یہ مشنریاں بہت ہی مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ تعلیم، علاج، رفاہ عامہ، غریبوں کی مدد اور دیگر ناموں سے مسلمانوں کے درمیان ان کے عقائد کو مشکوک کرنے اور ان کو اسلام کے اخلاقی اصولوں سے منحرف کرنے کا کام انجام دے رہی ہیں۔ یہ انتہائی خطرناک پہلو ہے، جس پر مسلم علماء ومفکرین کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(ب) نظام تعلیم

فکری انحراف اور عقیدہ میں بگاڑ کا سب سے بڑا محاذ تعلیمی میدان ہے۔ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے اندر جو فتنے پیدا کیے گئے ہیں، ان پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ محمد قطبؒ لکھتے ہیں:

''مصر میں انھوں نے جو تعلیمی پالیسی اختیار کی۔ اس نے مسلمان طلبہ کو حقیقی معنوں میں اپنے دین سے واقفیت کا موقع ہی نہیں دیا۔ ان درس گاہوں میں اسلام کے متعلق انھیں جو تعلیم دی جاتی تھی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، جس کو محض برکت وثواب کی خاطر

پڑھا جاتا ہے اور اسلام انسان کو دوسرے مذاہب کی طرح اچھا انسان بننے اور اپنے اندر اخلاقی خوبیاں پیدا کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور ان کی طرح یہ بھی عبادات اور اوراد و وظائف، تصوف اور کشف و کرامات کا مجموعہ ہے اور بس۔ جہاں تک اسلام کے معاشرتی و اقتصادی نظام، یا اس کے نظام حکومت اور اس کی بین المِلّی اور بین الاقوامی پالیسی، اس کے نظام تعلیم و تربیت اور اس کی حیات بخش اور حیات آفریں حیثیت کا تعلق تھا، طلبہ کو نہ صرف ان کے بارے میں اندھیرے میں رکھا جاتا تھا، بلکہ مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں اور شکوک و شبہات کے انھیں مسلسل انجکشن دیے جاتے تھے، تاکہ ان کے ذہنوں کو پراگندہ کر کے انھیں اپنے سامراجی عزائم کی تکمیل کے لیے آلۂ کار بنایا جا سکے۔''[۲۹]

جو بات آج سے پچاس سال قبل کہی گئی تھی، وہ آج بھی حرف بہ حرف صادق آتی ہے۔ بالخصوص کتاب اللہ کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے، اس کا انجام ہم کھلی آنکھوں سے دین سے انحراف، ارتداد اور الحاد کی شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔ اس عظیم کتابِ ہدایت اور کتابِ زندگی کی تعلیم اب بھی محض ایک عام کتاب کی طرح ہوتی ہے، جس کی لغوی پیچیدگیوں کو سلجھانے اور فنی باریکیوں کو آشکارا کرنے کو کمالِ فن سمجھا جاتا ہے، جب کہ اس کا اصل مقصد کہیں دؤ ردؤ رتک نظر نہیں آتا۔

(ج) تعلیم و تربیت کا فقدان

قوموں اور افراد کی اصل تربیت گاہ والدین، خاندان، سماج اور دینی و تعلیمی ادارے ہیں۔ عموماً ان تربیت گاہوں کا ماحول بچوں کی نفسیات سے قریب تر ہوتا ہے، جہاں وہ آسانی سے تربیت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں والدین اور افراد خانہ کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بچوں کی نفسیات کے مطابق بچپن ہی سے ان کی تربیت کا انتظام کریں۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب اور لقمان علیہم السلام کے واقعات سے اس سلسلہ میں بڑی رہ نمائی فراہم ہوتی ہے۔ ان تمام قرآنی قصوں میں تربیت کے جس پہلو کو سب سے زیادہ ابھارا گیا ہے، وہ معرفتِ الٰہی اور توحیدِ

خداوندی پر استقامت کا پہلو ہے۔ حدیث رسول ﷺ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ بچے کی تربیت والدین کا فریضہ ہے۔ اسی طرح آپ نے فرمایا ہے: بچے کی پیدائش اصلاً فطرت پر ہوتی ہے، پھر اس کے ماں باپ ہی اسے یہودی یا نصرانی بنادیتے ہیں۔[۳۰] اسی پس منظر میں امام غزالیؒ نے بچوں کی دینی واخلاقی تربیت کے سلسلے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''معلوم ہونا چاہیے کہ بچوں کی تربیت نازک امور میں سے ہے۔ بچے اپنے والدین کے پاس امانت ہوتے ہیں۔ ان کا پاک دل ایک سادہ اور قیمتی جوہر ہے، ابتدا میں وہ ہر طرح کی آلائش سے پاک ہوتا ہے۔ اس کے اندر ہر اس چیز کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جو اس کے سامنے پیش کی جائے۔ اگر اس کو خیر کا عادی بنایا جائے اور اسی پر اس کی نشوونما کی جائے تو وہ دنیا وآخرت میں فلاح پائے گا اور اس کام یابی کا ثمرہ والدین اور معلّمین کو بھی ملے گا۔ لیکن اگر اس کی نشو ونما شر پر ہوئی اور جانوروں کی طرح اس کی تربیت پر توجہ نہیں دی گئی تو وہ بھی ہلاک ہوگا اور اس کا وبال اس کے والدین اور ذمہ داروں پر بھی ہوگا۔''[۳۱]

امام نوویؒ نے لکھا ہے:

''بچوں کی تربیت اور دین کے بارے میں ضروری علم فراہم کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ اگر والدین نہیں ہیں تو ان کے دیگر اولیاء پر واجب ہے کہ ان کو بلوغت سے پہلے ہی اس تعلیم سے آراستہ کردیں۔''[۳۲]

حدیث میں صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک نو سن بچے کو کس بہترین انداز میں اللہ پر ایمان و توکل اور تقدیر کے بارے میں تعلیم وتربیت فرمائی۔ عمر بن ابی سلمہؓ سے روایت ہے:

''میں چھوٹا بچہ تھا۔ حضور ﷺ کے زیر سایہ میری پرورش ہو رہی تھی۔ ایک مرتبہ کھانے کے وقت میرا ہاتھ پیالہ میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا: بیٹے! پہلے اللہ کا نام لو، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے سامنے والے حصے سے کھاؤ۔''[۳۳]

(د) نااہلوں کے ذریعہ دین کی تفہیم

دینی تعلیم وتربیت کی اہمیت جس طرح مسلّم ہے۔اسی طرح اس کی بھی اہمیت ہے کہ ذریعۂ علم بھی مضبوط اور مستحکم ہو۔امام محمد بن سیرینؒ نے فرمایا ہے:

ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم۔[۳۴]

''یہ علم دین ہے، لہٰذا تم یہ دیکھ لو کہ کس سے علم حاصل کر رہے ہو۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے فتنوں کے حوالے سے جو پیشین گوئیاں کی تھیں، وہ آج پوری ہوتی نظر آرہی ہیں۔آپؐ کا ارشاد ہے:

ان بين يدى الساعة لأياماً ينزل فيها الجهل ويرفع فيها العلم ويكثر فيها الهرج۔[۳۵]

''قیامت کے قریب لوگوں پر ایسے ایام گزریں گے جن میں جہالت عام ہوجائے گی، علم اٹھ جائے گا، قتل وغارت گری کی واردات بڑھ جائیں گے۔''

اس حدیث کے عملی اطلاق کی ایک واضح صورت سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر دین کے سلسلے میں موجود مواد ہے، جس کو اسلام کے نام سے نشر کیا جاتا ہے اور لوگوں کا اس پر کلّی اعتماد ہوتا ہے۔یہ پہلو قابل تعریف ہے کہ سوشل میڈیا کے ذریعہ لوگوں تک دین کی تبلیغ اور دعوت الی اللہ کا کام بہت آسان ہوگیا ہے، لیکن ساتھ ہی اس کا ایک منفی پہلو یہ سامنے آیا ہے کہ دین کی تعبیر وتشریح میں ہر شخص آزاد ہوگیا ہے۔اپنی من پسند تشریحات کے ذریعہ دین کی صورت کو بگاڑنے میں اس کا اہم کردار ہوتا ہے۔

دین کی غلط تعبیر کی ایک نمایاں شکل یہ دیکھنے کو ملتی ہے کہ اس کو محض اخروی ثواب وعقاب کے حصول کا ذریعہ بنا کر اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ اس میں جنت میں جانے اور جہنم سے بچنے کے علاوہ کوئی اور رہ نمائی موجود نہیں ہے۔حالاں کہ دین کی تنفیذ کا اصل محور دنیوی زندگی ہے۔اس کے نفاذ میں نوع انسانی کے کیا مفادات ہیں، زندگی کے ہر مرحلہ میں یہ انسانوں کی کیسی رہ نمائی کرتا ہے؟ اس کو پس پشت ڈال دینے

کے کیا نقصانات ہیں؟ ان موضوعات سے عام طور پر صرف نظر کیا جاتا ہے۔

تدارک کی راہیں

فکری انحراف کے تدارک کے لیے کوئی ایک متعین نسخہ نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اس کا تعلق ماحول اور سماج سے ہوتا ہے ۔ اسی کے مطابق ان کو فکری غذائیت فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔اس کے تدارک کے لیے کچھ تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں:

(الف) عقیدۂ توحید کی درستی

عقیدہ اور فکر ونظر کا بگاڑ جس طرح تمام مشکلات اور انحرافات کی جڑ ہے، اسی طرح عقیدہ ونظریہ کی درستی بھی انسان کے سلوک ، اس کے معاملات اور رویوں کو درست کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک تہائی حصہ عقیدۂ توحید پر مشتمل ہے۔علامہ یوسف القرضاوی اس نکتہ پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اصلاح کے میدان میں اس طرف بھی نظر پھیرنے کی ضرورت ہے کہ ہر اس چیز کو مقدم رکھا جائے جس کا تعلق فکر کی درستی، نظریے کی صحت اور عمل کے نتیجہ خیز ہونے کے ساتھ ہو... جس کا کسی معاملے میں تصور ہی غلط ہو اس سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ اس معاملے میں اس کا کردار بھی غلط ہوگا۔ کیوں کہ کردار حسن وقبح میں اپنے تصور کے تابع ہوتا ہے۔[۳۶]

(ب) قرآن وسنت سے گہری وابستگی

فکری انحراف اور عقیدہ کا بگاڑ اصلاً قرآن وسنت سے دوری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں جہاں نظام حیات کے بڑے اہم اصول بیان کیے، وہیں کتاب اللہ اور سنت رسول کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا۔ آپ کا یہ حکم عارضی نہیں، بلکہ دائمی ہے۔ اس سے خود یہ اشارہ ملتا ہے کہ امت میں انحراف اسی وقت پایا جائے گا جب اس کا رشتہ کتاب وسنت سے منقطع یا کم زور ہوجائے گا۔ایک موقع پر

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو بہت ہی مؤثر انداز میں وعظ ونصیحت فرمائی، جس سے آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ ایک صحابی نے آپ سے مزید نصیحت کی درخواست کی۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اور امیر کی سمع وطاعت کا حکم دیتا ہوں، اگر چہ تمہارا امیر ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ تم میں سے جو لوگ زندہ رہیں گے وہ بہت سے اختلافات دیکھیں گے۔ تم لوگ بدعت ایجاد کرنے سے بچے رہنا، کیوں کہ یہ گم راہی ہے۔ جو اس دور میں رہے گا اس کو چاہیے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو اختیار کرے اور اسی کو لازم پکڑے۔''[۳۷]

اس حدیث سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ فتنوں اور اختلافات کے وقت ہماری اول ترجیح اسوۂ نبوی اور خلفائے راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا کا ہونا چاہیے، نہ کہ اپنے من گھڑت راستہ کو اختیار کرنا۔

(ج) اہل ایمان کی فکری تربیت

اہل ایمان کی فکری تربیت کے بارے میں قرآن وسنت میں بھرپور رہ نمائی ملتی ہے۔ ایک مومن کی فکر اور سوچ کیسی ہو؟ اس کی طرف ترجیحات کیا ہوں؟ اس کا ایک واضح خاکہ سورہ انعام کی دو آیتوں (۱۵۱، ۱۵۲) میں دیا گیا ہے۔ ان میں جہاں مسلمانوں کو شرک وبت پرستی، قتل وخوں ریزی، یتیموں کا مال ہڑپنے، ناپ تول میں کمی سے اجتناب، والدین کے ساتھ حسن سلوک اور عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم دیا گیا، وہیں زمانۂ جاہلیت میں اولاد سے متعلق رائج غلط تصور کا ازالہ بھی کیا جس کی بنا پر لوگ اپنی اولاد تک کو قتل کر دیتے تھے اور ان کو یہ باور کرایا گیا کہ رزق کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، تمہیں اور تمہاری اولاد سب کو وہی رزق دیتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ۔'' (الانعام:۱۵۳)

(یہی میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔'')

اللہ کے رسول ﷺ نے جب کبھی اپنے اصحاب کو کسی ایسے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے سنا جو فکری انحراف کا سبب بن سکتا تھا تو آپ نے فوراً تنبیہ فرمائی۔ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تقدیر کے معاملے پر بحث کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا تو سخت برہم ہوئے اور فرمایا:

بهذا أمرتم أو لهذا خلقتم؟''[۳۸]

''کیا تمہیں اسی کا حکم ملا ہے، یا اسی لیے پیدا ہوئے ہو۔''

ان تین صحابہ کا واقعہ مشہور ہے جنھوں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے معمولات نبوی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ جب ان کو آپؐ کے معمولات بتائے گئے تو انھوں نے اس کو بہت ہلکا سمجھا اور بہت زیادہ عمل کرنے کا ایک دوسرے سے وعدہ کیا۔ قریب تھا کہ ان کا یہ رویہ انھیں رہبانیت کے قریب پہنچا دیتا۔ آپ کو علم ہوا تو آپ نے اس پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ جو معمولات تمہیں بتائے گئے ہیں وہی میری سنت ہے:

''فمن رغب عن سنتي فليس مني۔''[۳۹]

''جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

ابوواقد لیثیؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب غزوۂ حنین کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کا گزر مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے ہوا جس پر وہ اپنی تلوار لٹکاتے تھے۔ بعض صحابہ نے خواہش ظاہر کی کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی 'ذات انواط' جیسا کہ کوئی درخت مقرر فرما دیجیے جس پر ہم اپنی تلوار لٹکا سکیں۔ اس پر آپ سخت برہم ہوئے اور فرمایا:

سبحان الله! هذا كما قال قوم موسىٰ (اجعل لنا الها كما لهم آلهة) والذى نفسى بيده لتركبن سنة من كا قبلكم۔[۴۰]

''اللہ کی ذات پاک ہے، تمہارا یہ مطالبہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے موسیٰؑ

کی قوم نے یہ کہا تھا: ان لوگوں کے معبودوں کی طرح ہمارا ایک معبود بنا دیجیے جس کی ہم پوجا کر سکیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم اپنے سے پہلے کے لوگوں کے راستے پر چل کر رہو گے۔''

ان واقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس اہتمام کے ساتھ اپنے اصحاب کی فکری تربیت فرمائی تھی۔ جب بھی کوئی ایسا عمل پیش آتا جس میں غلو، تشدّد یا دین کے کسی جز کے سلسلہ میں غلط فہمی کا امکان ہوتا تو آپ فوراً اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔

(د) استقامت

قرآن کریم نے عقیدۂ توحید کی درستی کے ساتھ اس پر استقامت اختیار کرنے کی بار بار تلقین کی ہے۔ امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

و استقامة الانسان لزومه المنهج المستقيم۔[۴۱]

''استقامت یہ ہے کہ انسان سیدھے راستہ کو لازم پکڑ لے۔''

علامہ ابن القیمؒ نے حضرت عمرؓ کے حوالے سے استقامت کا ایک مفہوم یہ بیان کیا ہے:

أن تستقيم على الأمر و النهى و لا تروغ روغان الثعالب۔[۴۲]

''استقامت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اوامر و منہیات پر برقرار رہو اور لومڑیوں کی مانند اِدھر اُدھر نہ پھرو۔''

استقامت کی مختلف تعریفات نقل کرنے کے بعد علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:

''استقامت ایک جامع لفظ ہے، جس میں دین کے تمام گوشے آجاتے ہیں، یعنی سچے دل سے اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے معاہدہ کی پاس داری کرتے ہوئے اس کے سامنے کھڑا ہونا۔ استقامت کا تعلق اقوال، افعال، احوال اور نیات، تمام چیزوں سے ہے۔ ان تمام چیزوں میں استقامت کا مطلب یہ ہے کہ: اللہ کے لیے، اسی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اور اسی کے حکم پر کوئی کام کیا جائے۔''[۴۳]

سورہ ہود میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (ھود:۱۱۲)

(پس آپ جمے رہیے، جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں۔ خبردار، تم حد سے نہ بڑھنا، اللہ تمہارے تمام اعمال کا دیکھنے والا ہے۔)

گزشتہ قوموں نے جس طرح اختلاف کیا اور شریعت کی روح کو زخمی کر دیا، اس کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو استقامت پر رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس پس منظر میں آیت کی معنویت اور بھی نکھر کر سامنے آتی ہے کہ جس طرح گزشتہ قوموں نے شریعت میں اختلاف کر کے اور انبیاء سے بے جا سوالات کر کے شریعت کی روح نکال دی اور ہلاکت کے دہانے پر جا پہنچے، اس سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ استقامت کی راہ پر گام زن رہا جائے۔ علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''استقامت سے مراد یہ ہے کہ دائیں بائیں چلنے کے بجائے ایک ہی سمت میں چلا جائے۔''[۴۴]

ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: قل آمنت بالله ثم استقم۔[۴۵] (کہو، میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر جم جاؤ۔) اس حدیث سے استقامت کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن وسنت کی شکل میں جو تحفہ نوع انسانی کو ملا ہے، اسی پر بنے رہنا مومن کا مقصود ومطلوب ہے۔ اس سے روگردانی اور انحراف کی ذرّہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ۔ (فصلت:۶)

(ان سے کہہ دو! میں تو تمہارے ہی مانند ایک بشر ہوں۔ میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، تو اسی کی طرف یکسو ہو کر اپنا

رخ کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔)

اس کے علاوہ جہاں بھی قرآن کریم نے سیدھی راہ کی دعوت دی ہے یا اس کا تذکرہ کیا ہے، اس کے ساتھ 'مستقیم' کی صفت کا ضرور اضافہ کیا ہے۔(ملاحظہ ہو: الفاتحہ: ۶، النساء: ۱۲۶، ۱۵۳، الفتح: ۲، ۲۰، الصافات: ۱۱۸۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بے شمار راستے ہیں، ان میں سے سیدھی راہ کو اختیار کرنا مطلوب ہے۔اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوجاتی ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اصل مقصود خدا کا تقرب حاصل کرنا ہے، اس کے لیے انسان جس راستہ کو چاہے، اختیار کرلے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مسلمانوں میں اس وقت جتنے بھی انحرافات پائے جاتے ہیں، چاہے ان کا تعلق فکر وعقیدہ سے ہو یا نظام سیاست سے، اقتصادیات کے میدان میں ہو، یا سماج کے کسی اور گوشے میں، ان سب کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے پاس قرآن وحدیث کی شکل میں جو واضح تعلیمات ہیں، ان کو پس پشت ڈال کر انھوں نے اپنی پسند اور خواہش کا راستہ اختیار کرلیا ہے۔

حواشی ومراجع

1- Dictionary.cambridge.org

2- Intellectual Deviation of Egyptian Youth: Causes and Treatments.Dina M. ELSHENAWI, Yue-fen WANG*p35

۳۔ سبل وقایۃ الأولاد من الانحراف من منظور اسلامی، د۔سلیمان بن قاسم العید، مدار الوطن للنشر ص ۷

۴۔ دور المربی ورجل الاعلام والمرشد الدینی فی الوقایۃ من الجریمۃ والانحراف، الریاض ۱۹۹۳ء/ ۱۴۱۴ھ، ص ۲۱

۵۔ الانحراف الفکری: المفھوم والبدایات، د۔عمر ابو المجد حسین قاسم محمد النعیمی، کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ والعربیۃ للبنات، الاسکندریۃ، المجلد ۴، العدد ۲۹، ص ۸۱

۶۔ الانحرافات الفکریۃ: سیاقھا وآثارھا ومواجھتھا، ڈاکٹر نور الدین بن مختار بن عمار الخادمی، رابطۃ

العالم الاسلامی، المجمع الفقھی الاسلامی، ص۵

۷۔ جمال سلطان، فکر اسلامی کی تجدید، ترجمہ: محمد فہیم اختر ندوی۔ قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، ۱۹۹۳ء، ص۱۸

۸۔ ملاحظہ ہو: مستقبل الثقافۃ فی مصر، طہٰ حسین، دارالمعارف مصر، ص۳۹، ۴۰، مزید دیکھیے: فکر اسلامی کی تجدید، جمال سلطان، ص۱۲۱۔۱۲۳

۹۔ التأملات فی الفلسفۃ الأولیٰ، رینیہ ڈیکارٹ، عربی ترجمہ: عثمان امین، المرکز القومی للترجمۃ، قاہرہ، ص۶۵۔۶۹

۱۰۔ حوالہ سابق، ص۴۷

۱۱۔ حوالہ سابق، ص۵۰

12- Encyclopedia Britannica: Rationalism

۱۳۔ الکلام، علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ ۲۰۱۶، ص۳۱۔۳۲

۱۴۔ رفع الأقلام عن ثلاثۃ: عن المجنون المغلوب علیٰ عقلہ حتیٰ یفیق... ابوداؤد، ۴۴۰۱

۱۵۔ مکانۃ العقل فی القرآن والسنۃ، محمد أحمد یٰسین، بحث: المؤتمر الثانی والعشرین للمجلس الأعلیٰ للشؤون الاسلامیۃ، قاہرہ، ۲۰۱۰ء/۱۴۳۱ھ، ص۲۳

16- Moderate and Radical Islam:Statement of Angel Rabasa, Ph.D1Senior Policy Analyst The RAND Corporation , November 2002

۱۷۔ التبشیر بالاسلام المعتدل، عبدالرحمٰن ضاحی۔ https://www.aljazeera.net/

۱۸۔ حوالہ سابق

۱۹۔ نحن نعود الیٰ تعالیم الاسلام: الحقیقۃ: https://www.shorouknews.com

۲۰۔ اصولی فرق اس معنیٰ میں نہیں کہ ان دونوں کا منبع الگ ہے، بلکہ اس معنیٰ میں ہے کہ اس کے موجودہ عقائد وتعلیمات کا ایک بڑا حصہ قرآنی تعلیمات سے ٹکراتا ہے۔ مثال کے طور مسیحیت اور اسلام کے درمیان اصولی فرق معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ ہو: الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، جلد۲

۲۱۔ ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ: مکالمہ بین المذاہب کی موجودہ صورت حال اور اسلامی نقطۂ نظر، ماہ نامہ حیات نو، اگست رستمبر ۲۰۲۲، ص۶۲

۲۲۔ التحریر والتنویر، طاہر بن عاشور، تفسیر سورۃ الممتحنۃ، آیت ۴

۲۳۔ ملاحظہ کیجیے: مضمون: فتنۂ انکار حدیث، پندرہ روزہ پیام ملت، کان پور، جلد ۳، شمارہ ۱۷، ۱۸، جنوری ۱۹۶۹ء، ص ۵

۲۴۔ الموضوعات، ابن الجوزی، تحقیق: عبد الرحمٰن محمد عثمان۔ ناشر: المکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ المنورۃ ۱۹۷۷ء جلد ۱، ص ۱۰۶

۲۵۔ روایت و درایت حدیث: ایک تجزیاتی مطالعہ، ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی، کریمی پرنٹرس، انوپ شہر روڈ، علی گڑھ ۲۰۰۴ء ص ۱۶۲

۲۶۔ فکری یلغار، ڈاکٹر عبد الصبور مرزوق، بدون سنہ ص ۱۰۔

۲۷۔ حوالہ سابق

۲۸۔ الغارۃ علی العالم الاسلامی، A .Le Chatelier، عربی ترجمہ: مساعد الیافی، محبّ الدین الخطیب، الدار السعودیۃ للنشر، جدہ، طبع دوم، ۱۳۸۷ھ، ص ۱۳، ۱۴

۲۹۔ اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، محمد قطب، ترجمہ: محمد سلیم کیانی، ص ۱۱، ۱۲

۳۰۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، ۱۳۸۵

۳۱۔ احیاء علوم الدین، ابو حامد الغزالی، دار المعرفہ، بیروت، بدون سنۃ، کتاب ریاضۃ النفس وتہذیب الأخلاق، جلد ۳، ص ۷۲

۳۲۔ شرح صحیح مسلم، الامام النووی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع دوم ۱۳۹۲ھ، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر لمن تضرر بہ، جلد ۸، ص ۴۴

۳۳۔ بخاری، کتاب الأطعمۃ، باب الأکل مما یلیہ، ۵۳۷۷

۳۴۔ مشکاۃ المصابیح، خطیب تبریزی، کتاب العلم، الفصل الثالث، ۲۷۳

۳۵۔ بخاری، کتاب الفتن، باب ظھور الفتن، ۷۰۶۲، ۷۰۶۳

۳۶۔ دین میں ترجیحات، علامہ یوسف القرضاوی، مترجم: گل زادہ شیر پاؤ، منشورات، جولائی ۲۰۱۲ء، ص ۳۱۵

۳۷۔ ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی الأخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ، ۲۶۷۶

۳۸۔ صحیح ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فی القدر، ۸۵

۳۹۔ بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ۵۰۶۳

۴۰۔ جامع الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء لترکبن سنن من کان قبلکم، ۲۱۸۰

۴۱۔ المفردات فی غریب القرآن، راغب الاصفہانی، دارالمعرفۃ بیروت، لبنان، طبع دوم، ۱۹۹۹ء مادۂ قوم، ص ۴۱۸

۴۲۔ مدارج السالکین، ابن القیم، دار عالم الفوائد للنشر والتوزیع، الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۱۹ء جلد۲، ص ۳۶۹

۴۳۔ حوالہ سابق: ص ۳۷۱

۴۴۔ الجامع لأحکام القرآن، الامام القرطبی، سورہ ہود، آیت ۱۱۲

۴۵۔ مسلم، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام، ۳۸

عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان مقالات میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی طرف متوجہ ہو اور اس کی حقانیت تسلیم کرے تو ہمیں اس کے لیے بھرپور علمی اور فکری تیاری کرنی ہوگی اور اسلام کی روشنی میں موجودہ دور کے مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔

امید ہے کہ ان مقالات سے فکر و نظر کو تحریک ملے گی اور یہ اسلامی تحقیق کے عمل کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

صفحات: ۸۰ قیمت: ۵۲

اقبال اور جدید علم کلام
فکر و منہج کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر وارث مظہری

اقبال کی شاعری اور فلسفیانہ فکر پر مختلف زبانوں میں اس کثرت سے لکھا گیا ہے کہ مخفی گوشے کم ہی باقی رہ گئے ہیں۔ تاہم جدید علم کلام کے حوالے سے اقبال کی فکر کو نسبتاً بہت کم موضوع بنایا گیا ہے۔ اس مقالے میں اسی حوالے سے اقبال کی فکر کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ جدید علم کلام پر گفتگو کی ابتدا برصغیر ہند میں سرسید احمد خاں سے ہوئی۔ شبلی نے اپنی کتابوں: 'الکلام'، 'علم الکلام'، 'الغزالی' اور 'سوانح مولانا روم' کے ذریعے اس بحث کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس کا ایک بنیادی خاکہ پیش کیا۔ سر سید اور شبلی کی کلامی فکر اور اس کے منہج پر ہم نے اپنے پچھلے دو مقالات میں تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔[۱] برصغیر ہند میں جدید علم کلام پر گفتگو کا تیسرا اہم حوالہ اقبال کا ہے، جو ان کے خطبات: Reconstruction of Religious Thought in Islam کی شکل میں سامنے آیا۔[۲] اقبال کا کام ایک لحاظ سے سرسید اور شبلی کے کام کی ہی توسیع اور تکملے کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن دوسرے لحاظ سے اسے جدید علم کلام میں ایک نئے باب کا آغاز تصور کرنا چاہیے۔ مشہور مستشرق ایچ، اے، آر، گب (م ۱۹۷۱ء) کے بہ قول عالم اسلام میں کسی مسلم مفکر کی یہ پہلی کتاب ہے جو اسلام کی بنیادی الٰہیاتی فکر کو عصری اسلوب کے قالب میں پیش کرتی نظر آتی ہے۔[۳]

جدید علم کلام کی تشکیل میں اقبال کا حصہ

جدید علم کلام کے حوالے سے سرسید اور شبلی کا کام اقبال کے پیش نظر تھا۔ وہ

اس کی اہمیت کے معترف تھے اور اس سے انہوں نے استفادہ بھی کیا تھا[۴] لیکن جس اصولی فکری ڈھانچے پر ان دونوں پیش رَو مفکرین نے جدید علم کلام کی عمارت اٹھائی تھی، اقبال اس سے متفق نہیں تھے اور اسے معاصر تقاضوں کی تکمیل میں کارآمد تصور نہیں کرتے تھے۔ قدیم علم کلام ان کی نگاہ میں محض فرسودہ خیالات کا مجموعہ تھا اور بہ ایں وجہ کافی نہیں تھا۔ ان کی تنقید یہ تھی کہ انہی فرسودہ خیالات یا اصولوں پر سرسید نے اپنی فکر کی عمارت اٹھائی تھی۔[۵] لیکن اس حوالے سے دیکھا جائے تو شبلی کا معاملہ بھی مختلف نہیں ہے۔ وہ بھی قدیم علم کلام کے اصولوں پر ہی جدید علم کلام کی پرشکوہ عمارت کی تعمیر کے خواہاں تھے، جو اقبال کی نظر میں ایک طرح سے خلافِ زمانہ رجحان تھا۔ درحقیقت سرسید یا شبلی کا بنیادی 'نقص' یہ تھا کہ وہ عہد جدید میں سائنس اور فلسفہ کے شعبوں میں پیدا ہونے والے جدید افکار و رجحانات سے واقف نہیں تھے اور ان سے متعلق ان کی معلومات ثانوی ذرائع پر مبنی تھیں۔ اقبال کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اسلامی اور مغربی فکری روایت، جس میں کلام و فلسفہ کو اولیت حاصل ہے، اس سے براہ راست گہری واقفیت رکھتے تھے اور ان کے مصادر پر بھی ان کی نگاہ وسیع تھی۔ وہ نہ تو سرسید کی طرح مغرب کی سائنسی فکر سے متاثر تھے اور نہ شبلی کی طرح قدیم اسلامی فکری روایت کے سحر میں گرفتار ذہن رکھتے تھے۔ البتہ یہ کہنا بہرحال مشکل ہے کہ وہ اس حوالے سے خالی الذہن تھے۔ مغربی فکر و ثقافت کے اثرات ان کی شخصیت پر مرتب ہوئے، تاہم اس قدر ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ان کا ذہن اسلامی اور مغربی دونوں فکر کے حوالے سے تنقیدی اور تجزیاتی تھا اور اس معنیٰ میں وہ ایک غیر جانب دار ذہنیت کے حامل تھے۔ یہ نکتہ اس لیے اہم ہے کہ جدید علم کلام کی ترتیب اس ذہنی تشکیل کے بغیر صحیح معنوں میں ممکن نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے معاصر ہندوستانی اصحاب علم میں بہ ظاہر یہ صرف اقبال تھے جو پوری خود اعتمادی کے ساتھ جدید علم کلام کے پروجیکٹ کو آگے بڑھانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کے 'خطبات' جدید علم کلام کے باب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال کے خطبات عصر حاضر کا جدید علم کلام ہیں، جس کی ضرورت اربابِ فکر وبصیرت عرصے سے محسوس کر رہے تھے''۔[۶]

کم وبیش سو سال گزر جانے کے باوجود فکر اقبال کی معنویت تا حال نہ صرف باقی ہے، بلکہ اس دورانیے میں مشرق ومغرب کے اسلامی فکری حلقوں میں اس موضوع پر جو کام ہوئے ہیں، ان میں اس کی گونج سنائی دیتی ہے۔ اگرچہ اقبال نے 'اسلامی فکر کی تشکیل نو' (Reconstruction of Islamic Thought) کا عنوان اس کے لیے منتخب کیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ کام براہ راست علم کلام کے ہی ضمن میں آتا ہے، کیوں کہ اپنی تعریف کے لحاظ سے علم کلام دینی معتقدات کے عقلی اثبات اور ان کو وقت کے مروّجہ علمی وفکری اسلوب میں پیش کرنے کا نام ہے۔ اسی لیے اقبال نے اس کے اردو ترجمے میں اسے الٰہیات کا نام دیا۔[۷]

اقبال کا شدید احساس تھا کہ اسلامی فکر کو، خاص طور پر اس کے اس پہلو کو جس کا تعلق الٰہیات یا بہ الفاظ دیگر علم کلام سے ہے، ایسے سنگین چیلنجز درپیش ہیں جو اسلام کے تہذیبی وجود کو متزلزل کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ اس کا اظہار انہوں نے مختلف حوالوں سے کیا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

''اسلام اس وقت زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید اسلام کی تاریخ میں ایسا وقت پہلے کبھی نہیں آیا''۔[۸]

مولانا سید سلیمان ندوی کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''مسلمانوں پر اس وقت دماغی اعتبار سے وہی زمانہ آرہا ہے جس کی ابتدا یورپ کی تاریخ میں لوتھر کے عہد سے ہوئی تھی''۔[۹]

گویا جس طرح پندرھویں صدی کے یورپ میں مارٹن لوتھر (Martin Luther) کی تحریک نے روایتی دینی مسیحی فکر پر عوام کے ذہن کو متزلزل کر دیا تھا، موجودہ صورت حال میں اگر بروقت تدارک کی کوشش نہیں کی گئی تو اسی ابتلا کا سامنا اسلامی فکر کو بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔ چنانچہ اس احساس کے تحت اقبال نے دسویں۔ گیارہویں صدی

کے مسلم فلاسفہ اور متکلمین کی اسپرٹ کے ساتھ اس محاذ پر قدم آگے بڑھایا اور جدید علم کلام کے حوالے سے ایک نیا ماڈل متعارف کرانے کی کوشش کی، جس کے خدوخال اور منہج پر آئندہ سطور میں بحث کی جائے گی۔

اقبال کی کلامی فکر اور اس کا منہج

اقبال کی کلامی فکر کے پس پشت یہ احساس کارفرما ہے کہ انسانیت کو اس وقت تین چیزوں کی ضرورت ہے: کائنات کی روحانی تعبیر، فرد کی روحانی نجات اور عالم گیریت کے بنیادی اصول، جو روحانی بنیاد پر انسانی سماج کی ارتقا پذیری کی رہ نمائی کر سکیں۔[۱۰] اس سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ اقبال کے سامنے دو طرح کے چیلنجز تھے: ایک وہ جو بہ حیثیت مجموعی تمام مذاہب کو درپیش تھے اور دوسرے وہ جن کا تعلق بہ طور خاص اسلام سے ہے۔ اقبال نے ان دونوں پہلوؤں کو اپنی کلامی فکر کا موضوع بنایا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کا علم کلام صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہا، بلکہ وہ بہ حیثیت مجموعی تمام مذاہب کے بنیادی وجودی قضیے سے بحث کرتا ہے اور وہ ایک سوال کی شکل میں یہ ہے کہ کیا مذہب کا امکان ہے؟ اس لیے اقبال کی کلامی فکر کے اس بنیادی پہلو نے خاص طور پر مختلف مذاہب کے فکری حلقوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اٹھارویں انیسویں صدی میں، جدید سائنس اور فلسفے کے جلو میں، فروغ پانے والی مادیت پسندانہ الحادی فکر نے، جس نے چارلس ٹیلر کے بقول بیسویں صدی کے نصف ثانی میں ایک دھماکے کی شکل اختیار کر لی ہے،[۱۱] زور وقوت کے ساتھ کائنات کی مادی تعبیر پر ارتکاز کیا اور اس حوالے سے بنی نوع انسان کی زندگی کے خدّ وخال کی تعیین اور نصب العین کو طے کرنے کی کوشش کی۔ اس کا تقاضا تھا کہ انھی اصولوں کی بنیاد پر، جنھیں کائنات کی مادی تعبیر کے لیے اختیار کیا گیا ہے، اس کی روحانی تعبیر کے لیے استعمال کیا جائے۔ انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ اور مذہب حق ہونے کے لحاظ سے اسلام کا اساسی قضیہ یہی ہے۔

اقبال نے جن موضوعات پر اپنی کلامی فکر کی عمارت قائم کی ہے ان کے اندر

ایک مضبوط داخلی ربط پایا جاتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے علم کی حقیقت وماہیت سے بحث کی ہے۔اس سے ان کا مقصود ایک ایسا علمیاتی فریم ورک (Epistemological Framework) تشکیل دینا ہے جس کے ذریعے مذہبی علم کا اثبات کیا جا سکے۔ ان کی نظر میں مذہبی علم کے حصول کا سب سے اہم ذریعہ مذہبی تجربہ ہے، جس کی صحت وصداقت کی جانچ عقلی اور فلسفیانہ بنیادوں پر کی جاسکتی ہے۔ مذہبی علم کے اس تصور سے اسلامی الٰہیات کی پہلی بنیاد، یعنی ایک ایسے شخصی خدا کا اثبات ممکن ہے جس کی واجب الوجوب ذات کا تقاضا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے سامنے دستِ طلب دراز کیا جائے۔ کیوں کہ کائنات کے اندر سرایت کیے ہوئے غیر شخصی (Impersonal) خدا سے دعا والتجا کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں۔ خدا کی ذات مع صفات کے اثبات کے بعد اقبال نے انسان کی شخصیت، کائنات سے اس کے تعلق، کائنات میں اس کے بقا وخلود اور اس کے مجبور یا مختار ہونے سے بحث کی ہے۔ اولین چار خطبات اور آخری خطبے میں یہ مباحث پھیلے ہوئے ہیں۔ پانچویں اور چھٹے خطبے میں انہوں نے خاص طور پر اسلام کو بہ طور ردین اپنی فکر کا موضوع بنایا ہے اور ان سوالات سے بحث کی ہے کہ اسلامی ثقافت کی روح اور اسلام کو فکری وعملی سطح پر متحرک رکھنے والی بنیادی خصوصیت کیا ہے؟ ثانی الذکر پر انہوں نے اصولِ اجتہاد کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ ان کی نظر میں اسلام کے پورے نظام فکر کو متحرک رکھنے کی بنیاد اسلام کے اصول اجتہاد پر ہے۔ تاہم انہوں نے جدید دنیا کے سماجی وسیاسی تقاضوں کے پیش نظر خاص طور پر اسلامی شریعت یا اسلام کے قانونی نظام کی ترتیب نو کے مختلف نکات پر اپنی توجہ مرکوز رکھی ہے۔ خطبات کے موضوعات اور داخلی سطح پر ان کے اندر پائے جانے والے منطقی ربط کو پیش نظر رکھتے ہوئے اقبال کے کلامی پروجیکٹ کے خدّ وخال اور ان کی اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ آئندہ سطور میں چند مباحث کے حوالے سے اس پر تجزیاتی نگاہ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

اقبال کی کلامی گفتگو کا سب سے اہم اور مرکزی موضوع علم کا تصور، اس کی ماہیت اور اس کے حصول کا طریق کار ہے۔ اس کے ذریعہ انہوں نے مذہب کے امکان

کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ قدیم و جدید فلسفے اور علم کلام کی بحث بھی اسی پر مبنی ہے۔ لیکن علم کی اس بحث کا دارومدار علم کے مابعد الطبیعیاتی تصور پر قائم ہے، یعنی وہ اللہ کی طرف سے انسان کے اندر ودیعت کردہ قوت کا نام ہے جس سے انسان اشیا کی ماہیت وصفات میں تمیز کرنے کے لائق ہوتا ہے، جب کہ اقبال کا دعویٰ ہے کہ محض مابعد الطبیعی معتقدات پر مذہب کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی، کیوں کہ وہ نہایت متزلزل ہیں۔ مذہب کا منصب اور مقام ایسا ہے کہ اس کے بنیادی اصولوں کے لیے سائنسی معتقدات سے بڑھ کر عقلی استدلال کی ضرورت ہے۔[۱۲] اقبال کا یہ نقطۂ نظر غزالی سے بہت قریب ہے۔ غزالی نے 'المنقذ من الضلال' میں اپنا شخصی تجربہ بیان کیا ہے کہ کس طرح انہوں نے ایک غیر متزلزل یقینی علم کے حصول کی عقلی بنیاد حاصل کرنے کی کوشش کی، جو مذہبی معتقدات کے اثبات کے لیے مقدمہ بن سکے۔[۱۳]

مذہبی علم کے لیے یہ عقلی اساس کیا ہے؟ اقبال کی نظر میں یہ عقلی اساس وجدان ہے، جس پر مذہبی مشاہدات کی بنیاد ہے، جو مذہبی علم کے حصول کا ذریعہ بنتے ہیں۔ عقل اور وجدان میں کوئی منافات نہیں ہے، بلکہ وجدان عقل کی ہی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔[۱۴] مغربی فکر میں اس کا اہم حوالہ اقبال کی نگاہ میں برگساں (Henri Bergson-1914-1859) اور اسلامی روایت میں غزالی کی فکر ہے۔ عقل کے مقابلے میں وجدان کو حقیقتِ اعلیٰ کی معرفت کے ذریعہ کے طور پر اسلامی فکر میں سب سے پہلے غزالی نے بھرپور قوتِ استدلال کے ساتھ پیش کیا۔ اقبال کی فکر کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اس باب میں غزالی کے ذاتی اور متصوفانہ رجحان کی محدودیت اور اس سے پیدا ہونے والی بے اطمینانی کی بنا پر اپنے تصورِ وجدان کی اساس خالص فلسفیانہ اور معروضی دلائل پر رکھی۔ اپنے مدّعا کے اثبات میں انہوں نے ان دونوں کی فکر سے خصوصی اکتساب کیا ہے۔ غزالی کا اہم کارنامہ اقبال کی نگاہ میں یہ ہے کہ انہوں نے عقل استدلالی کے بت کو پاش پاش کر دیا۔ تاہم اقبال کی غزالی پر تنقید یہ ہے کہ انہوں نے وجدان کو عقل سے علیٰحدہ چیز تصور کر لیا۔ اقبال کی نظر میں مجرد عقل یا عقل استدلالی کے ذریعے حقیقت کا کلّی ادراک ممکن نہیں

ہے۔ کیوں کہ عقل کے ذریعے حقیقت کا ادراک جزوی شکل میں ہوتا ہے۔ حقیقت اعلیٰ کا کلّی ادراک عقل استقرائی اور وجدان کے ذریعے ہی ممکن ہے، جس کے لیے قرآن میں 'قلب' اور' فواد' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مذہبی حقائق کی اعتباریت وعدم اعتباریت پر بحث کرتے ہوئے اقبال لکھتے ہیں:

> ''مذہبی مشاہدات کے حقائق بھی ویسے ہی حقائق ہیں جیسے ہمارے دوسرے مشاہدات کے حقائق۔ اور جہاں تک کسی حقیقت کی تعبیر سے حصولِ علم کا امکان ہے، ہمارے لیے سب حقائق یکساں طور پر اہم ہیں''۔[۱۵]

سوال یہ ہے کہ طبعی واردات یا صوفیانہ مشاہدات کی اگر کوئی حقیقت ہے تو اس کی آزمائش کیوں کر ممکن ہے، جس کے ذریعے حقیقی و غیر حقیقی واردات قلبی و مشاہدات باطنی میں فرق کیا جا سکے؟ اقبال کی نظر میں ان کی تنقیح کا معیار بھی عقلی ہی ہے۔[۱۶] مذہبی مشاہدات کی تنقید اور آزمائش کا دوسرا معیار مذہبی فکر کے وہ نتائج ہیں جو پیغمبرانہ انقلاب فکر و عمل کے نتیجے میں سامنے آئے۔[۱۷] یہ دلیل بالعموم مذہبی حلقوں کی طرف سے دی جاتی ہے۔ غزالی اور شبلی نے بھی اسے ایک دلیلِ نبوت کے طور پر استعمال کیا ہے۔[۱۸] لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دلیل مطمئن کرنے والی نہیں ہے۔ موجودہ مادی عقل انسان اور انسانی سماج کو لاحق بہت سے خطرات ومشکلات کو مذہبی افکار وتعلیمات کا ہی شاخسانہ تصور کرتی ہے۔ اس کے لیے کس طرح مذہبی فکر کے نتائج کو دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے؟

اقبال کے مطابق مادہ کے بارے میں جو قدیم تصورات تھے وہ باقی نہیں رہے۔ نظریۂ اضافیت (Theory of Relativity) کے بعد یہ تصور کہ مادہ ایک ٹھوس اور مستقل بالذات چیز ہے، ختم ہو گیا۔ ایسے میں شعور ہی وہ واحد چیز ہے جو ایک مستقل اہمیت رکھتا ہے اور وہ کسی مادی ارتقا کے نتیجے میں وجود میں نہیں آیا، جیسا کہ مادی تصور حیات کے مطابق اس کی تفہیم کی جاتی ہے۔ اس طرح اقبال کی نظر میں مظاہر وجود کے

تعلق سے ہمیں جو علم حاصل ہوتا ہے وہ شک وشبہ سے خالی نہیں ہے۔ ایسے میں یہ صرف ہمارا شعور ہے جس کا تجربہ شکوک وشبہات سے بالاتر ہے اور صرف اسی کے ذریعے حقیقتِ اعلیٰ تک رسائی ممکن ہے۔ یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ موجودہ مادی فکر نے مذہبی فکر کے سامنے جو بڑے چیلنجز پیش کیے ہیں، ان میں سے ایک اہم شعور (Mind) کا تصور ہے، جو اس کی نظر میں مادے کی ہی ایک ترقی یافتہ شکل کا نام ہے۔ اس مسئلے میں شروع سے مختلف نظریات رہے ہیں۔[۱۹]

اقبال نے ان نظریات سے ہٹ کر شعور کی ماورائیت اور اس کے فوق المادہ ہونے کا اثبات کیا ہے۔ ان کے تصور کا خلاصہ ولڈن کار کے الفاظ میں، جس کا حوالہ اقبال نے دیا ہے، یہ ہے:

> ''اگر شعور واقعی ارتقا کا نتیجہ ہے تو فطرت اور اس طرح مبدأ حیات کا سارا میکانیکی تصور بے معنی ہو جائے گا..... یہ کیسے ممکن ہے کہ شعور، جسے ادراک حقیقت کا ایک طریق ٹھہرایا جاتا ہے، بجائے خود اس کا ارتقا ہو؟[۲۰]

اقبال نے جن دوسرے کلامی مباحث پر گفتگو کی ہے ان میں سے ایک وجودِ باری کا اثبات ہے اور دوسری بحث انسانی نفس اور جبر وقدر پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں بحثیں قدیم علم کلام کی بنیادی بحثیں ہیں، بلکہ کہنا چاہیے کہ وجودِ باری کا اثبات وہ مرکزی بحث ہے جس پر پورے علم کلام کا ڈھانچہ مرتب ہوتا ہے، لیکن ایک لحاظ سے یہ مسئلہ صرف اسلامی علم کلام سے تعلق نہیں رکھتا، مسیحی الٰہیات بھی اس کو اوّلیت دیتی ہے، لیکن مسیحی الٰہیات، جس کی تشکیل نو افلاطونیت کے زیر اثر ہوئی ہے، صفات کی سطح پر خدا کی حیثیت کو محدود اور نہایت پیچیدہ بنا دیتی ہے۔[۲۱] نوافلاطونیت کے زیر اثر اسلام کی فلسفیانہ فکر میں بھی اللہ کی خالقِ کائنات کی حیثیت تو باقی رہی، لیکن کائنات کے ناظم وآمر کی حیثیت سے اس کی حیثیت محدود ہوگئی، جس سے اقبال متفق نہیں ہیں۔ وجودِ باری کے اثبات کے لیے عام طور پر تین دلائل قائم کیے جاتے ہیں: کونی (Cosmological)، وجودی (Oontological) اور غائی (Teleological)۔ اقبال کی نظر میں ان

تینوں دلائل سے صرف ایک ذاتِ مطلق یا صانع ہستی کا وجود ثابت ہوتا ہے، ایک ایسی ہستی کا وجود ثابت نہیں ہوتا جو خلق وامر کی صفات سے متصف ہو۔ وہ اپنے دلائل سے ایک ایسی ذات کے وجود کا اثبات کرتے ہیں جو اس کائنات کی خالق بھی ہے اور ناظم وآمر بھی۔۲۲

جہاں تک کائنات کے قدیم وجدید فلسفیانہ اور سائنسی تصور کی بات ہے، اقبال کی نظر میں یہ دونوں تصورات بہت جامد اور میکانیت پسندی پر مبنی ہیں۔ نیوٹن اور ڈارون کے اکتشافات کو وہ میکانیت پسندانہ فکر کی تشکیل کے طور پر دیکھتے ہیں،۲۳ جس نے یہ احساس پیدا کیا کہ ہمارے مسائل دراصل طبیعیات ہی کی پیداوار ہیں۔ ان کی نظر میں کائنات ہمہ دم تخلیق کے عمل سے گزر رہی ہے اور اضافہ پذیر ہے۔ اس تخلیقی فعالیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، جس میں آزادی اور برجستگی کی کیفیت پائی جاتی ہے، زندگی اور کائنات کی تشریح میکانکی اصولوں سے نہیں کی جاسکتی۔ فطرت کوئی لگی بندھی اور ٹھوس چیز نہیں ہے۔ اس میں تجدّد وتغیر کا عمل ہمیشہ سے جاری ہے۔ اس لحاظ سے اقبال کا تصورِ فطرت سرسید کے جامد اور میکانیکی تصور فطرت کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے۔

روح ونفس اور جبر وقدر کے مسئلے کو جس تازگی فکر کے ساتھ اقبال نے دیکھنے کی کوشش کی، اس نے اس موضوع پر غور وفکر کی راہ کو ہموار کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اقبال روح وبدن کی ثنویت کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک یہ مجوسی تصور ہے، جس سے مسیحیت متاثر ہوئی اور اس نے ڈیکارٹ کے فلسفے میں جگہ پائی، جو روح وبدن کی ثنویت کا قائل تھا۔۲۴ ان کی نظر میں نفس کی بقا کا مسئلہ محض مابعدالطبیعی تصور پر قائم ہے، جو کافی نہیں ہے ۲۵ ابن رشد نے بھی اس مسئلہ کو مابعد الطبیعیات کے ذریعے ہی حل کرنے کی کوشش کی اور وہ اس میں ناکام رہے، جب کہ کانٹ نے اسے اخلاقی تصور کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی۔ اقبال کے نزدیک یہ تصورات اس مسئلہ کے فلسفیانہ حل کے لیے ناکافی ہیں۔ انہوں نے اخلاقی اور حیاتی دونوں کے امتزاج سے قرآن سے ماخوذ تصورات کی روشنی میں اس کا حل پیش کیا۔ لیکن معاد اور روح کے بقائے دوام کے

مسئلے میں اقبال کی فکر مشاہیر مسلم فلاسفہ کے سے متاثر نظر آتی ہے، جس سے راسخ العقیدہ مسلم فکر ہمیشہ نبرد آزما رہی ہے۔ مسلمانوں میں رائج تقدیر کے تصور کو وہ تقدیر پرستی سے تعبیر کرتے ہیں، جسے اموی حکم رانوں نے پروان چڑھایا اور اشعری فکر سے اسے فروغ حاصل ہوا۔ اس مسئلے میں وہ معتزلہ کے قریب نظر آتے ہیں، جو تقدیر پرستی کے اس تصور کے خلاف ہیں۔ اقبال کی پوری گفتگو ایک لحاظ سے جدید علم کلام کے بنیادی مقدمے کی حیثیت رکھتی ہے۔

اقبال کے منہج فکر کی پہلی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اسلامی الٰہیات کے کسی ایک حصے کے بجائے پورے نظام کو از سر نو غور و فکر کا موضوع بنانے کی کوشش کی۔ اس دعوے کے ساتھ کہ ماضی کی روایت سے اس کا رشتہ منقطع نہ ہو۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

> The task before modern Muslim is, therefore, immense. He has to rethink the whole system of Islam without completely breaking with the past…The only course open to us is to approach modern knowledge with a respectful but independent attitude and to appreciate the teachings of Islam in the light of that knowledge, even though we may be led to differ from those wo have gone before

> ''دور حاضر کے مسلمانوں کو یہ اہم مسئلہ درپیش ہے کہ وہ ماضی سے رشتہ منقطع کیے بغیر اسلام کے پورے نظام فکر پر از سر نو غور و فکر کریں۔ .... ہمارے سامنے بس یہ راستہ باقی رہ گیا ہے کہ علم حاضر کے احترام اور قدر و منزلت کے باوجود اپنی رائے برقرار رکھتے ہوئے یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اسلامی تعلیمات کی تعبیر اب علم حاضر کے پیش نظر کس رنگ میں کرنی چاہیے، خواہ ایسا کرنے میں ہمیں اپنے اسلاف سے اختلاف ہی کیوں نہ کرنا پڑے''۔ ۲۶

اپنے پیش رو ہندوستانی مفکرین: سرسید اور شبلی کے مقابلے میں اقبال کا منہج فکر اس لحاظ سے بھی جدید ہے کہ اس کی بنیاد موجودہ فلسفے اور سائنس سے حاصل شدہ علوم پر رکھی گئی ہے، جن سے متعلق ان کے پیش رو دونوں مفکرین کا زاد علم محض واجبی سا تھا۔ دور جدید کے بہت سے روایتی اصحاب علم کے مقابلے میں جدید علوم کے ساتھ ان کا طرز عمل معروضی تھا۔ چناں چہ انہوں نے اپنے کلامی فکر کی ترتیب میں تمام جدید علوم سے استفادہ کیا، لیکن اس باب میں ان کی حیثیت ناقل کے بجائے عاقل اور ایک بصیرت مند کی ہے، یعنی انہوں نے ان علوم کے حاصلات ونظریات کو بھی تنقیدی زاویے سے دیکھ کر عمل میں لانے کی کوشش کی۔ انہوں نے فلسفہ اور مذہب کو دو الگ دائروں میں رکھ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ ان کی نظر میں دونوں کی ماہیت کو جانچنے کا معیار مشترک ہے۔ البتہ وہ اس تعلق سے ایک واضح موقف رکھتے ہیں کہ مذہب کو فلسفے کے ڈھانچے میں ڈھالنا کارِعبث ہے:

> ''مذہب کو فلسفۂ نظری بنانے کی کوشش کرنا میری رائے میں بے سود محض، بلکہ لغو ومہمل ہے۔ اس لیے کہ مذہب کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان بیٹھا ہوا زندگی کی حقیقت پر غور کرے، بلکہ اس کی اصل غایت یہ ہے کہ زندگی کی سطح کو بہ تدریج بلند کرنے کے لیے ایک مربوط متناسب عمرانی نظام قائم کیا جائے۔ ۲۷

اقبال ایک طرف خالص عقلی منہج استعمال کرتے ہوئے مذہبی واردات کی حقیقت کا اثبات کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف قرآنی بیانات کو بھی اس کا حوالہ بناتے ہیں۔ اقبال کا طریقۂ استدلال تقریباً تمام اہم مباحث کے تجزیے میں یہی رہا ہے کہ عقلی وفلسفیانہ استدلالات کو قرآنی آیات سے مبرہن کرکے پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔ البتہ اقبال پر ایک حد تک یہ اعتراض بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن سے ان کا استدلال بہت تجریدی اور لفظی نوعیت کا ہوتا ہے، جس کا قرآن کے اصل سیاق سے بہ ظاہر کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اصولی طور پر اس اعتراض کو تسلیم

کر لینے کے باوجود کہا جاسکتا ہے کہ فلسفیانہ ڈسکورس میں مذہبی نصوص سے استدلال کی نوعیت یقینی طور پر عقائد یا احکام کی بحث میں رائج طریق استدلال سے مختلف رہی ہے جس کا ایک نمونہ، مثال کے طور پر ابن رشد کی کتاب 'فصل المقال' میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسری سطح پر اس کی مثالیں اسلام کی صوفیانہ روایت میں بہ افراط موجود ہیں۔ ڈاکٹر ماجد فخری لکھتے ہیں : اقبال نے اپنی کتاب میں وہی منہج اختیار کیا ہے جو غزالی نے ہزار سال قبل اپنی کتاب 'احیاء علوم الدین' میں اختیار کیا تھا، البتہ اپنے مضمون اور روح کے لحاظ سے ان کی کوشش ابو یعقوب کندی اور ابن رشد کے مشابہ ہے، اس فرق کے ساتھ کہ انہوں نے افلاطون، ارسطو اور پلوٹینس کے فلسفیانہ اصول وافکار پر اپنی بحث کی بنیاد رکھی، جب کہ اقبال نے ہیگل، وہائٹ ہیڈ اور برگسان کے اصول وافکار پر۔[۲۸]

اقبال کو معتزلہ اور ابن رشد دونوں سے یہ شکایت ہے کہ انہوں نے عقل پر زیادہ انحصار کیا اور یہ نہیں سمجھ سکے کہ مذہبی وفلسفیانہ معرفت کے میدان میں زندہ تجربات سے دامن کش رہنا سخت غلطی ہے، جب کہ غزالی کے منہج پر ان کی تنقید یہ ہے کہ انہوں نے دینی مباحث کی بنیاد فلسفیانہ شک پر رکھی، جو اس زعم پر قائم ہے کہ لامتناہی کی معرفت متناہی کے ذریعے ممکن نہیں ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ جس بنیاد پر ابن رشد اور غزالی کے منہج پر اقبال کی نگاہ میں تنقید کی گنجائش ہے، خود اقبال کا منہج بھی اسی تنقید کی زد میں آتا ہے اور اقبال پر تنقید کرنے والے ایک طبقے کی شکایت یہی ہے۔

اقبال کی کلامی فکر ومنہج پر ایک تنقیدی نظر

اقبال کی کلامی فکر اور منہج پر خطبات کی اشاعت کے وقت سے ہی تنقیدیں کی جاتی رہی ہیں۔ ۱۹۵۷ میں اس کے اردو ترجمے کی اشاعت کے بعد برصغیر ہند کے علماء کے حلقوں میں ان تنقیدوں میں مزید شدت پیدا ہوئی۔ اس حوالے سے اقبال کے ناقدین میں عرب وغرب کے اصحاب علم کا بھی ایک طبقہ شامل ہے۔ اس مقالے میں اس کا جائزہ لینا مقصود نہیں ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ اقبال کی فکر ومنہج پر ایک تنقیدی نظر ڈالی

جائے اور اس حوالے سے ان کی فکر پر کی جانے والی تنقیدات کے اہم نکات کو پیش نظر رکھا جائے، تاکہ ان کی کلامی فکر کی قدر پیمائی میں ان سے مدد لی جاسکے۔ سب سے پہلے اقبال کی اس وضاحت کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

> ''ان لکچروں کے مخاطب زیادہ تر وہ مسلمان ہیں جو مغربی فلسفہ سے متاثر ہیں اور اس بات کے خواہش مند ہیں کہ فلسفۂ اسلام کو فلسفۂ جدید میں بیان کیا جائے اور اگر پرانے تخیلات میں خامیاں ہیں تو ان کو رفع کیا جائے۔ میرا کام زیادہ تر تعمیری ہے اور اس تعمیر میں میں نے فلسفۂ اسلام کی بہترین روایات کو ملحوظ خاطر رکھا ہے''۔ ۲۹

اقبال کی فکر پر مختلف پہلوؤں سے تنقیدیں کی گئی ہیں۔ پہلی جہت یہ ہے کہ ان کی فکر مغرب کے جدید مادیت پسند مفکرین سے، جن میں نطشے، ڈارون، فشتے اور برگساں شامل ہیں، متاثر ہے۔ دوسری اہم جہت یہ ہے کہ انہوں نے مذہب اور فلسفہ کو باہم مخلوط کر دیا۔ ان دونوں کے دائروں میں جو فرق و امتیاز ہے اسے ملحوظ نہیں رکھا جاسکا۔ انہوں نے مذہب کو ایک سائنسی اور فلسفیانہ حقیقت بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی۔ چناں چہ وہ موضوعات جو سرے سے عقل کی بحث سے خارج اور وحی کا موضوع تھے، اقبال نے انہیں عقل استدلالی کی بنیاد پر طے کرنے کا بیڑا اٹھایا، جو اصولی طور پر غلط ہے۔ اعتراض کا ایک پہلو یہ ہے کہ اقبال کی فکر اسلام کی راسخ العقیدہ فکر سے مختلف اہم مسائل میں متصادم ہے، جیسے جنت و جہنم کو مقامات کے بجائے کیفیات سے تعبیر کرنا، معاد کو مخصوص طبقہ انسان تک محدود کرنا۔ ۳۰ تنقید کی ایک جہت یہ ہے کہ اقبال بحیثیت شاعر اور بحیثیت متکلم و فلسفی میں واضح امتیاز پایا جاتا ہے۔ ۳۱

اہم بات یہ ہے کہ جس شدت کے ساتھ اقبال کی فکر کو ہدفِ تنقید بنایا جاتا رہا ہے، اسی شدت کے ساتھ اس کا دفاع بھی کیا گیا ہے۔ ایک طرف اقبال سے خصوصی تعلق و قربت رکھنے والے مولانا سید سلیمان ندوی ہیں اور دوسری طرف مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ دونوں ایک ہی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ سید صاحب نے جہاں اقبال

پر کفریات کا الزام لگایا، وہیں ثانی الذکر شخصیت نے 'خطبات اقبال پر ایک نظر' لکھ کر اقبال کا قوی اسلوب میں دفاع کیا ہے۔

جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے ،اس میں شک نہیں کہ اقبال کی فکر اور بعض مفکرینِ مغرب کی فکر کے درمیان مختلف سطحوں پر مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔اس سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ اقبال نے اپنی کلامی و فلسفیانہ فکر کی تشکیل میں مغربی فکر کا خاصا اثر قبول کیا ہے اور یہ بالکل متوقع ہے۔البتہ اہم بات یہ ہے کہ اقبال نے دور جدید کے مارکسی اور مادیت پسند مسلم مفکرین کی طرح مغربی فکر کو اپنا مرجع و ماخذ نہیں بنایا۔ان کی فکر کا اصل مرجع و ماخذ قرآن اور صوفیہ کے افکار ہیں۔اس حوالے سے اصلاً اس پہلو کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اقبال کے سامنے سب سے اہم چیلنج یہ تھا کہ موجودہ فکری و فلسفیانہ مسلّمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا مشترکہ منہج اختیار کیا جائے جس کے فریم ورک میں کی جانے والی گفتگو اپنے اندر دانشِ حاضر کو قانع و مطمئن کر سکنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ڈارون یا نطشے سے متاثر ہونا محض ایک ضمنی مسئلہ ہے۔تاہم قبال نے خود اس کی وضاحت کی ہے کہ ان پر یہ الزام صحیح نہیں ہے۔[۳۲]

البتہ دوسرے اعتراض کے حوالے سے گفتگو کی کافی گنجائش موجود ہے۔مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں کہ سائنس اور مذہب کے دو مختلف دائروں میں ہونے کا تصور انیسویں صدی تک ہی مقبول تھا۔[۳۳] لیکن یہ بات محل نظر ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مغربی اور مشرقی دونوں حلقہ ہائے علم میں سائنس اور مذہب کی کش مکش کے مسئلے کو تا حال سب سے زیادہ اسی اصول اور کلیّے سے حل کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔[۳۴] لیکن اقبال کی نگاہ میں یہ ایک قسم کی راہِ فرار ہے، کیوں کہ حیاتی و کائناتی حقائق کی تشریح میں سائنس کو بنیادی اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔اس لیے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بجائے سائنس کے اس چیلنج کو قبول کرنا چاہیے اور اس کے بعد خود سائنسی اصول و نظریات کے فریم ورک میں اس کے دائرہ کار کی محدودیت کو طے کرنا چاہیے۔چناں چہ اقبال نے یہی کیا۔ان کی نگاہ میں سائنس اور مذہب کے منہج اور طریق کار میں فرق ہو سکتا ہے، لیکن

دونوں کی منزل ایک ہے اور وہ یہ کہ دونوں کے اندر حقیقت تک پہنچنے کی جستجو پائی جاتی ہے۔ مذہب اور سائنس کے درمیان اتصال وافتراق کو انہوں نے ایک اور زاویے سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ یہ کہ سائنس کی دنیا میں تو معنیٰ کا ادراک حقیقت کے خارجی کردار کی حیثیت سے کیا جاتا ہے، جب کہ مذہب کی دنیا میں اس کا ادراک اندرونی ماہیت کی رو سے کیا جاتا ہے۔ ۳۵ اسلام کی فلسفیانہ فکری روایت کا اصل رخ یہی تھا کہ یونانی فلسفیانہ نظریات پر اسلامی فکر کو منطبق کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر ہم مذہب اور فلسفے کو دو مختلف دائروں میں محصور کر دیں تو پھر وہ مسلّمہ منہاج کیا رہ جاتا ہے جس سے مذہب کے مابعد الطبیعیاتی اصول وتصورات طے کیے جا سکیں۔ اس لیے ان دونوں کا اپنی حدوں تک محدود رہنا کلّی خصوصیت نہیں رکھتا۔ تاہم مذہب اور سائنس وفلسفہ کے درمیان جو حقیقی فرق پایا جاتا ہے، اقبال اس سے بہ خوبی آگاہ اور اس کے معترف تھے۔ چناں چہ ایک جگہ اس کا برملا اظہار انہوں نے اس جملے میں کیا ہے کہ: ''مذہب طبیعیات یا کیمسٹری نہیں ہے''۔ ۳۶

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے لکھا ہے کہ فلسفیانہ اصولوں کو اقبال نے خدا کا مقام عطا کر دیا۔ ۳۷ ان کی تشکیلی فکر سے ایک شخصی خدا کا انکار لازم آتا ہے۔ اس کا شبہ اقبال کی انائے مطلق کی بحث سے ہوتا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی لکھتے ہیں:

> ''اگر میں یہ کہوں تو شاید غلط نہیں ہوگا کہ اقبال فکری اعتبار سے اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ انسانی نفس کے اندر جو حقیقت مستور ہے وہ وہی ہے جو کائناتی نفس میں پوشیدہ ہے، یعنی انائے مطلق۔ فرق صرف مرتبے کا ہے۔ نفس انسانی کی ترقی کا آخری درجہ یہ ہے کہ وہ نفسِ مطلقہ سے، جو اس کا منبع ہے، ہم کنار ہو جائے، لیکن اس میں فنا نہ ہو، جیسا کہ عام صوفیہ کا خیال ہے، بلکہ وہ حقیقتِ مطلقہ سے متصل ہو کر اپنے وجود کو قائم رکھے..... اقبال کی نظر میں انسان اور خدا میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ایک ظاہر ہے اور دوسرا باطن۔ خدا کی تلاش انسان کی تلاش ہے اور انسان کی تلاش خدا کی تلاش کے ہم معنی ہے''۔ ۳۸

اگر اقبال انسانی خودی یا انا کو انائے مطلق کا ہی حصہ تصور کرتے ہیں تو اس تصور کا داخلی ماخذ تو خود وحدت الوجود کا تصور ہے جو مصنف کی نظر میں یقیناً ایک غیر اسلامی نظریہ ہے۔۳۹ تاہم راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق اقبال نے اپنے وجودی ہونے کا کہیں اقرار نہیں کیا ہے۔قابل توجہ بات یہ ہے کہ اقبال نے اپنے تیسرے خطبے میں دعا کی حقیقت سے بحث کی ہے اور اس کی ضرورت کو ثابت کیا ہے، جو غیر شخصی خدا کے تصور کے منافی ہے۔

تیسرے اعتراض کے حوالے سے جہاں تک ان تصورات ونظریات کا تعلق ہے جو براہِ راست اسلام کی راسخ العقیدہ فکر سے متصادم ہیں، جس کی شناخت اہل سنت والجماعت کی فکر سے ہوتی ہے تو اس پر تفصیلی بحث مولانا اکبر آبادی نے اپنی محولہ بالا کتاب میں کی ہے۔اس کو وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔اقبال کے کلامی تفردات کو اسلام کی فکری روایت کے وسیع تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔خود شاہ ولی اللہؒ کے یہاں، جن پر اقبال کے بہ قول الٰہیات اسلامیہ کا خاتمہ ہوگیا،۴۰ کلامی تفردات کی حیرت انگیز مثالیں نظر آتی ہیں۔۴۱ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے بہ قول اس میں شک نہیں کہ ایک مسلم فلسفی کی حیثیت سے یہ صرف اقبال ہیں جن پر پورا عالم اسلام فخر کرسکتا ہے۔۴۲ تاہم اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اقبال نے جس مابعد الطبیعیات کی تشکیل کی کوشش کی اس کی بنیاد قرآنی تعلیمات پر استوار نہ تھی، کیوں کہ ان کی سوچ جدید لبرل فکر کی طرح ذاتی نوعیت کی تھی۔۴۳

> …this work cannot be said to be based on Quranic teaching…What is true is that Iqbal's thought, like all modern liberal thought, is essentially a personal effort

تاہم ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے اس اعتراض کی کوئی حقیقت ہے تو یہ ہے کہ خود ان کی فکری کاوش و منہج پر یہی نقد زیادہ وسیع طور پر وارد ہوتا ہے۔اصل میں اس اعتراض کا ماخذ وہی غلط فہمی ہے کہ اقبال نے اسلامی فکری روایت کے مقابلے میں مغرب کی فکری

روایت پر زیادہ انحصار کیا ہے اور یہ کہ اقبال کا اسلامی فکر کا اصولی مطالعہ کم زور تھا۔

خلاصہ یہ کہ اقبال کی الٰہیاتی یا کلامی فکر کے حوالے سے متضاد مواقف علمی حلقوں میں پائے جاتے رہے ہیں۔ سیکولر فکر کے حامل روشن خیال مسلم طبقے کے مطابق، جدید علم کلام میں خرد دشمنی کا آغاز اقبال سے ہوتا ہے۔[۴۴] جب کہ دوسری طرف ہندو پاک کے غیر روایتی اسلامی حلقوں سے تعلق رکھنے والے اصحابِ دانش کا اقبال پر یہ الزام ہے کہ وہ اپنی تعقل پسندی اور فلسفیانہ موشگافیوں سے جس چیز کو ترقی باور کرانے کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں، وہ اصل میں ایمان سے دست برداری کا نام ہے۔[۴۵] اس طرح اقبال کی شاعری کی طرح ان کی فلسفیانہ اور کلامی نثر میں بھی اپنے اپنے ذوق کے مطابق لوگوں کو دو طرح کے اقبال کی شبیہ نظر آتی ہے: ایک روایت پسند اور دوسرے تجدد پسند۔ راقم الحروف کی نگاہ میں یہ اقبال کی خامی نہیں، بلکہ یہ بات ان کی فکر کے اندر پائی جانے والی وسعت اور لچک پر دلالت کرتی ہے۔ اقبال کی یہ پوزیشن بہت حد تک غزالی سے مشابہ ہے۔ غزالی یونانی فلسفہ کے بت شکن تصور کیے جاتے ہیں۔ یہ بات ان کی بنیادی شناخت میں شامل ہے، لیکن اصحاب علم کے ایک طبقے کا، جس میں ابن تیمیہ پیش پیش ہیں خیال ہے؛ کہ غزالی خود اپنے دشمن کے تیر کا شکار ہو گئے۔[۴۶] حالاں کہ اس نوع کے الزام سے خود ابن تیمیہ بھی محفوظ نہ رہ سکے۔[۴۷]

اس میں شک نہیں کہ اقبال نے مختلف موضوعات پر فکر اسلامی کے 'ممنوعہ حدود' میں قدم رکھ کر اس کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی، جس کی نزاکت اور خطرناکی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے پیش رَو دور جدید کے اسلامی مفکرین اس سے محترز رہے۔ مثلاً مفتی محمد عبدہ نے یہ کہہ کر اپنا قدم پیچھے ہٹا لیا کہ ہمیں ان مسائل میں توقف اختیار کرنا چاہیے۔[۴۸] لیکن اقبال نے جرأت دکھائی، تاہم انہیں اپنی فکر کے کسی نکتے پر اصرار نہیں تھا۔ انہیں اس بات کا بہ خوبی اندازہ تھا کہ ان کی فکر کی مختلف شقوں پر تنقیدیں کی جائیں گی اور اسی سے بحث و مباحثے کی وہ فضا پروان چڑھے گی جو فکر اسلامی کے قافلے کو منزل مقصود تک رواں دواں رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ چناں چہ خطبات کے مقدمے میں

انہوں نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''فلسفیانہ فکر میں قطعی اور حتمی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جوں جوں علم آگے بڑھتا ہے اور فکر کے نئے افق کھلتے چلے جاتے ہیں اس امر کا امکان ہے کہ شاید کتنے ہی دوسرے نظریات ان خطبات میں پیش کیے گئے خیالات سے بھی زیادہ محکم ہوں جو آئندہ ہمارے سامنے آتے رہیں گے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم فکر انسانی کے ارتقا پر بڑی احتیاط سے نگاہ رکھیں اور اس کی جانب ایک بے لاگ تنقیدی رویہ اپنائیں''۔۴۹

اقبال کی کلامی فکر کے اثرات ونتائج

ہمیں یہ دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ اقبال کی کلامی فکر کے اثرات ونتائج کی نوعیت کیا رہی؟ ان کے خطبات کی اشاعت کو تقریباً سو سال پورے ہونے کو آئے ہیں۔اس دورانیے میں ان کی کلامی اور فلسفیانہ فکر عالم اسلام اور اس سے باہر کے علمی حلقوں میں زیر بحث رہی ہے اور اس کی تنقید وتحسین کی جاتی رہی ہے۔ ان کی فکر کو عالم اسلام کے جدیت پسند حلقوں میں خصوصی طور پر پذیرائی حاصل ہوئی۔۵۰ لیکن اسلامی فکری حلقوں میں ان کی کلامی فکر کو متوقع پذیرائی نہیں ملی۔ جہاں تک ہندوپاک کا سوال ہے، اقبال کی خوش نصیبی یہ ہے کہ ان سے زیادہ غالباً کسی اور اسلامی شاعر ومفکر کو موضوع تحریر نہیں بنایا گیا۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ اقبال بحیثیت شاعر کا طوطی جس طرح مشرقی دنیا کے علمی حلقوں میں بولتا رہا، بحیثیت مفکر ومتکلم اقبال اور ان کی فکر کو پذیرائی حاصل نہیں ہوسکی۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

''اقبال کے ہم عصروں نے، خصوصی طور پر علمائے ہند نے ان کی اس تصنیف میں کوئی دل چسپی نہیں لی۔ اگر لی تو سرسری طور پر اور کہیں رائے کا اظہار کیا تو منفی''۔۵۱

اس کی وجہ ان کی نگاہ میں یہ ہے کہ وہ انگریزی زبان اور فلسفیانہ اسلوب میں لکھی گئی تھی۔۵۲ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کی سب سے اہم وجہ اقبال کے کلامی و

فلسفیانہ 'تفردات' ہیں جن پر نقد واعتراض کا سلسلہ خطبات کی اشاعت کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ راسخ العقیدہ حلقے کی طرف سے اقبال کی فکر پر شدید تحفظات و اعتراضات کا اظہار کیا گیا۔ البتہ اس احتیاط کے ساتھ کہ محبوب شاعر مشرق کی اسلامی شخصیت مجروح نہ ہو، تاکہ اس ملی وقومی مزاج کی اساس واستناد باقی رہے جس کی تشکیل و پرداخت میں اقبال کی شاعری نے اہم رول ادا کیا ہے۔ اقبال کے 'تفردات وانحرافات' کے حوالے سے اسلامی حلقوں میں اس بے دلیل موقف کو ایک حد تک اجتماعی تائید حاصل ہوگئی کہ اقبال کی تشکیل جدید الٰہیات کے تشکیلی مرحلے میں تھی۔ ان کو اس پر نظر ثانی کا موقع نہیں ملا۔ حالاں کہ ایک حلقے کی طرف سے یہ بات اقبال سے متعلق محض اپنے پایۂ خوش اعتقادی کو مضبوط کرنے کے لیے تھی، جس کی تردید اصحاب علم نے کی ہے۔۵۳ بعض اصحابِ فکر نے باضابطہ طور پر اقبال کی شعری کاوشوں کو ان کی نثری کاوشوں کا ناسخ قرار دیا ہے، تاکہ ان کی فکر کے حوالے سے پیدا ہونے والے مزعومہ داخلی تضاد کو رفع کیا جا سکے۔۵۴

بہرحال یہ احساس نہ صرف ہندو پاک بلکہ عالم اسلام کے دوسرے حصوں میں قائم علمی حلقوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ جدید علم کلام پر اقبال کا کام جس قدر اہمیت کا حامل ہے اس لحاظ سے اس کے دور رَس اثرات ونتائج سامنے نہیں آئے۔ عراقی دانش ور عبدالجبار رفاعی، جنھوں نے جدید علم کلام پر عربی میں تفصیلی کام کیا ہے، ان کی نظر میں اس کی وجہ یہ ہے کہ 'اخوان المسلمون' جیسی جدید تصور ریاست کو مسترد کرنے اور اسلامی خلافت کا خواب دیکھنے والی اسلامی جماعتوں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی سیاسی واجتماعی فکر کو اقبال کی فکر پر ترجیح دی۔ ۵۵ جب کہ معروف سعودی دانش ور ڈاکٹر ذکی میلاد کی نظر میں فکر اسلامی کی تجدید کے حوالے سے عالم اسلام میں اقبال کی کوششوں سے روا رکھی جانے والی بے اعتنائی نے معاصر فکر اسلامی کے لیے ایک علمیاتی بحران (الازمة المعرفية) کی کیفیت پیدا کر دی۔۵۶

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ خطبات پر اگرچہ بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، تاہم پہلے

کے مقابلے میں آج یہ ضرورت زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ فلسفہ دین کے جن بنیادی مباحث پر اقبال نے گفتگو کی ہے، ان کو بحث کا موضوع بنایا جائے۔ خاص طور پر بیسویں صدی کے نصف ثانی سے اثباتیت پسندانہ (Positivist) الحادی فکر نے جس جارحیت کے ساتھ سر ابھارنا شروع کیا ہے، اسلامی الٰہیات کے حوالے سے فکر اقبال کے بنیادی نکات پر مذہب کے امکان اور مذہبی تجربات کے سائنسی فہم کی بحث کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

خلاصۂ بحث

اقبال کی کلامی فکر سے جدید علم کلام پر ایک نئی بحث کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ یونانی فلسفے کی اساس پر تشکیل شدہ قدیم علم کلام کے ناقد تھے۔ جس کی وجہ ان کی نظر میں یہ تھی کہ یونانی فلسفے کے بہت سے نظریات کو جدید سائنس اور فلسفے نے مسترد کر دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ قدیم فلسفہ وکلام صرف فکری محاذ آرائی سے عبارت ہے۔ اس سے عمل کی قوتوں کو تحریک نہیں ملتی، جب کہ اسلام کا مزاج عملی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی اس حوالے سے اعلیٰ فکری کاوش کو اس کے پیچیدہ اور عسیر الفہم اسلوب نے دبا دیا۔ تاہم اقبال کے لیے یہ مسئلہ اختیاری نہیں تھا، بہ صورت دیگر اقبال کا کلامی پروجیکٹ جدید علم کلام کو ایک نیا بُعد دینے میں کام یاب نہیں ہوتا۔ موجودہ عہد میں فلسفۂ دین کی جو بحث شروع ہوئی ہے جس کا بنیادی موضوع مذہب کی مابعد الطبیعیات کا علمی و عقلی اثبات ہے، اقبال کی طرف سے اس موضوع پر بیسویں صدی کے اوائل میں چھیڑی گئی بحثیں اپنے مشمول اور منہج دونوں لحاظ سے آج اکیسویں ویں صدی کے اوائل میں تازگی اور معنویت سے پُر محسوس ہوتی ہیں۔ البتہ، جیسا کہ اقبال نے وضاحت کی ہے، فکر و فلسفے کی دنیا میں کسی خیال یا نظریے کو قطعیت حاصل نہیں ہے۔ اس لیے فکر اسلامی کی نمائندہ نئی نسل کی ذمہ داری ہے کہ وہ فکر اقبال سے ضروری استفادہ کرتے ہوئے جدید علم کلام کی تشکیل کے پروجیکٹ کو آگے بڑھانے کی کوشش کرے۔

حواشی و مراجع

۱۔ ملاحظہ فرمائیں: سرسید کی کلامی فکر اور اس کا منہج: ایک تجزیاتی مطالعہ،شائع شدہ :سہ ماہی تحقیقات اسلامی،علی گڑھ، جنوری، مارچ،۲۰۲۳ء اور شبلی کی کلامی فکر اور اس کا منہج: تجزیاتی مطالعہ،الاضواء جلد،۸۳،شمارہ ۵۹ ،جنوری۔جون،۲۰۲۳ء

۲۔ اس کا اردو ترجمہ سب سے پہلے سید نذیر نیازی نے ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' کے عنوان سے کیا تھا۔

3- H.A. R. Gibb, Modern Trends in Islam, Chicago:The University of Chicago Press, 1947, Forword,ix-x

۴۔ مثال کے طور پر اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اقبال نے اپنی کتاب The Development of Metaphysics in Persia n.d. Bazm-e-Iqbal, Lahore میں متعدد جگہوں پر شبلی کا حوالہ دیا ہے۔ دیکھیے، کتاب مذکور ص،۲۹،۶۱ وغیرہ

۵۔ غلام دستگیر،فکر اقبال:،حیدر آباد، دکن: نفیس اکیڈمی، سن ندارد،ص،۹۴۔۹۵

۶۔ سعید احمد اکبر آبادی: خطبات اقبال پر ایک نظر، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸۷،ص،۱۱

۷۔ اقبال کی تجویز کے مطابق ہی اس کے اردو ترجمے کا عنوان ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' رکھا گیا،جیسا کہ کتاب کے مترجم سید نذیر نیازی نے اس کی وضاحت کی ہے۔دیکھیے: تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، دہلی: اسلامک بک سینٹر،۱۹۹۲ء،ص،۵

۸۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب): اقبال نامہ،(ج،۱)لاہور: شیخ محمد اشرف تاجر کتب، کشمیری بازار،سن ندارد،ص،۵۰۔۵۱

۹۔ سید شفقت رضوی (مرتب)، مکاتیب سر محمد اقبال بنام سید سلیمان ندوی، کراچی: ادارۂ تحقیقات وافکار و تحریکات ملی،۱۹۹۲ء،ص،۷۵

10- The Reconstruction of Religious Thought in Islam,Landon Oxford University Press, 1934, P.170

۱۱۔ Charles Taylor, A Secular Age,Harvard University Press, 2018 دیکھیے کتاب کا آٹھواں باب، The Malaises of Modernity جس میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔

12- The Reconstruction,p.2

۱۳۔ المنقذ من الضلال ،مشمولہ مجموعة رسائل الامام الغزالی ‘(وضع حواشیہ وخرج احادیثہ وقدم لہ احمد شمس الدین، بیروت: دارالکتب العلمیۃ،۱۹۸۸ء،ص،۵۸۱

14- The Reconstruction,p.3

۱۵۔ ایضاً ص،۱۵ ۱۶۔ایضاً،ص،۲۵۔۲۶ ۱۷۔ایضاً،ص،۱۷۹

۱۸۔ دیکھیے :شبلی:الکلام،نبوت کی حقیقت،اعظم گڑھ،دارالمصنفین ،۱۳۴۱ھ،ص،۸۹ومابعد

۱۹۔ مادہ اورشعور کے حوالے سے مختلف فلسفیانہ نظریات پائے جاتے رہے ہیں۔نظریہ مادیت (Materialism) کے مطابق مادہ قدیم ہے۔اس کے بالمقابل عینیت(Idealism) ہے، جس کے مطابق مادے کے بجائے شعور قدیم ہے۔تیسرا نظریہ ثنویت(dualism) ہے جس کے مطابق مادہ اورشعور دونوں قدیم ہیں۔جب کہ لاادریت(Agnosticism) کے مطابق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے کون قدیم اورکون حادث ہے؟

20- The Reconstruction p,42

۲۱۔ تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیے:

Karen Armstrong, A History of God, New Delhi, Vintage, 1999, chap,4

۲۲۔ مغرب میں مذہب پر نیچرل تھیالوجی کے عنوان سے حال میں جو بحثیں سامنے آئی ہیں، ان میں سب سے اہم بحث’ کائنات میں خدا کی مداخلت‘(Divine Intervention in the World) کا موضوع ہے،جس کا تعلق اس سوال سے ہے کہ کیا کائنات کا نظام اپنے فطری قوانین کے مطابق قائم اوراٹل ہے، یا اس میں خدا کی مداخلت سے مسلسل تبدیلی کا امکان اور عمل جاری ہے؟ Deism کے نظریے کے مطابق تخلیق کے بعد کائنات سے خدا کا فعال تعلق باقی نہیں رہا۔اس موضوع پر لکھنے والے جدید مسلم اصحاب قلم کی نظر میں یہ معاصر علم کلام کا سب سے اہم مسئلہ ہے، جس پر مسلم مفکرین کوغور کرنا چاہیے۔ Nidhal Guesoums Necessary Engagement Kalam Knowledge village, with Modern Science Monograph, Kalam, Research & Media P,5 Dubai,2011. مغربی فکر میں غیر شخصی خدا(Impersonal God) اس کے نتیجے میں الحاد

جدید کی وہ شکل سامنے آئی جسے چارس ٹیلر نے الحاد کے سپرنوا سے تعبیر کیا ہے۔

23- The Reconstruction, p.39

۲۴۔ ایضاً،ص،۹۸ ۲۵۔ایضا،ص،۱۰۵ ۲۶۔ایضاً،ص،۹۲

۲۷۔ محمد اقبال: ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر، ترجمہ:مولانا ظفر علی خاں، لاہور: اقبال اکیڈمی،سن ندارد،ص،۲۱۔۳۱

۲۸۔ ماجد فخری:تاریخ الفلسفة الاسلامیه منذ القرن الثامن حتی یومنا هذا، بیروت: دار المشرق،۲۰۰۲،ص،۴۳۵۔۵۳۵

۲۹۔ شیخ عطاء اللہ،اقبال نامہ،ج،۱،لاہور: شیخ اشرف،ص،۱۱۔۲۱ بحوالہ سہیل عمر: خطبات اقبال نئے تناظر میں،لاہور: اقبال اکادمی،۲۰۰۲،ص،۱۰

30- The Reconstruction, p,117

۳۱۔ سہیل عمر: خطبات اقبال نئے تناظر میں،لاہور: اقبال اکادمی،۲۰۰۲،ص،۱۱۔۴۱

۳۲۔ تصدق حسین تاج،(مرتب) مضامین اقبال،حیدرآباد،دکن:مطبوعہ،اعظم اسٹیم پریس،۱۳۶۲ھ، ص۴۶۔۵۶

۳۳۔ خطبات اقبال پر ایک نظر،ص،۷

34- Peter Harrison:The Territories of Science and Religion Chicago:The University of Chicago Press, 2015,p.14-15

35- Reconstruction,p.185-186

36- The Reconstruction,p,24

۳۷۔ جاوید اقبال،خطبات اقبال:تسہیل وتفہیم، لاہور: اقبال اکادمی،ص،۲۱

۳۸۔ الطاف احمد اعظمی،خطبات اقبال: ایک مطالعہ،ناشر:مصنف خود،۲۰۰۱،ص،۲۱

۳۹۔ مصنف کی اسی موضوع پر ایک کتاب ''وحدت الوجود: ایک غیر اسلامی نظریہ'' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔(نئی دہلی: قاضی پبلشرز،۱۹۱۵)

40- The Reconstruction, p,115

۴۱۔ ملاحظہ فرمائیں: شاہ ولی اللہ کے کلامی تفردات پر راقم الحروف کا دو قسطوں میں تفصیلی مقالہ، الشریعہ،مارچ اور اپریل،۲۰۲۳

42- Dr Fazlur Rahman, Islam and Modernity:Transformation of an

Intellectual Tradition,Chicago:University of Chicago,1982,p,73

43- Islam and Modernity, p,132-133

۴۴۔ علی عباس جلال پوری: اقبال اور علم کلام، لاہور: تخلیقات، سن ندارد، ص، ۳۸۱

۴۵۔ اجمل کمال: اقبال شناسی یا اقبال تراشی:

https//:dokumen.tips/ documents-/ 563db95d550346aa9a9c9e7a.html

۴۶۔ ابن تیمیۃ: الانتصار لاہل الاثر، تحقیق، عبد الرحمٰن بن حسن قائد، قطر: وزارۃ الشؤن الاسلامیۃ، ۱۰۰۲ ص، ۵۹

۴۷۔ جیسے ابن تیمیہ کا عرش باری کے قدیم ہونے یا حوادث لا اول لھا کا نظریہ یعنی یہ تصور کہ کچھ حوادث اور ممکنات ایسے بھی ہیں جو اس معنی میں قدیم ہیں کہ ان کی کوئی ابتدا نہیں ہے۔ حالاں کہ قدیم ہونے کا تصور متکلمین کے نزدیک صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس پر مزید مطالعے کے لیے دیکھیے: عبد الوھاب الاخمیمی الشافعی: رسالۃ فی الرد علی ابن تیمیہ فی مسئلۃ حوادث لا اول لھا (تحقیق، سعید عبد اللطیف فودۃ)، ناشر: محقق، ۸۹۹۱

۴۸۔ محمد عبدہ: رسالۃ التوحید، مشمولہ الاعمال الکاملۃ للامام شیخ محمد عبدہ، ج، ۳، تحقیق وتقدیم، بیروت: دار الشروق، ۳۹۹۱ محمد عمارۃ ص، ۳۹۵۔۶۹۳

49- The Reconstruction, Preface,p. vi

۵۰۔ عالم عرب میں جدیدیت پسندی اور جدید علم کلام کے مباحث کو پروان چڑھانے والوں میں ایک اہم نام حسن حنفی کا ہے جن کی کتاب: محمد اقبال: **فیلسوف الذاتیۃ** کے عنوان سے ۹۰۰۲ میں شائع ہوئی۔ (بیروت: دار المدار الاسلامی، ۹۰۰۲)

۵۱۔ خطبات اقبال: تسہیل وتفہیم، ص، ۱۰ ۵۲۔ ایضا

۵۳۔ خطبات اقبال: تسہیل وتفہیم، ص، ۲۲، نذیر نیازی، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، حوالہ سابق، ص، ۱۰

۵۴۔ خطبات اقبال نئے تناظر میں، ص، ۱۱

۵۵۔ (اعداد وتحریر) عبد الجبار الرفاعی، علم الکلام الجدید: مدخل لدراسات اللاھوت الجدید وجدل العلم والدین، بغداد: مرکز دراسات فلسفۃ الدین، ۶۱۰۲، ص، ۸۴

۵۶۔ ذکی المیلاد، محمد اقبال والتجدید الدینی الفلسفی، بیروت: مکتبہ مؤمن قریش: ۸۰۰۲، ص، ۸۷۔۸۸

تعارف وتبصرہ

اصولِ فقہ (حصہ اول ودوم)　　مولانا معین الدین خٹکؒ

ناشر: ملت پبلی کیشنز، سری نگر (کشمیر)، اشاعت: ۲۰۲۳، صفحات: اول ۴۳۲، دوم ۴۰۰، قیمت: ۱۲۵۰/روپے

فنِ اصولِ فقہ مسلمانوں کا قدیم سرمایہ اور اہلِ علم کا مشغلہ رہا ہے۔ اسے مصادرِ شریعت کی تفہیم کا بنیادی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ فقہ کے ساتھ یہ فن بھی معرضِ وجود میں آیا، البتہ باضابطہ تحریری شکل میں اس کا آغاز دوسری صدی ہجری سے ہوا ہے۔ اس فن پر پہلی تصنیف امام شافعی کی مایہ ناز کتاب 'الرسالۃ' کو قرار دیا جاتا ہے۔ بعد کے ادوار میں جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں ان میں احمد بن محمد بن اسحاق الشاشی (م ۳۴۴ھ) کی 'اصول الشاشی'، امام ابن حزم (م ۴۵۶ھ) کی 'الاحکام فی اصول الاحکام'، امام جوینی (م ۴۷۸ھ) کی 'الورقات فی اصول الفقہ'، امام غزالی (م ۵۰۵ھ) کی 'اساس القیاس' اور 'المستصفیٰ من علم الاصول'، امام شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) کی 'ارشاد الفحول الیٰ تحقیق الحق من علم الاصول' اور عصر حاضر میں عبد الوھاب خلاف (م ۱۹۵۶ء) کی 'علم اصول الفقہ' نمایاں ہیں۔

عربی زبان کے علاوہ اردو میں بھی اس موضوع چھوٹی بڑی کئی تصانیف اور تراجم منظر عام پر آچکے ہیں، جیسے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی 'محاضرات اصول فقہ' اور ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی کی 'اسلامی فقہ کے اصول ومبادی'۔ زیر تبصرہ کتاب 'اصول فقہ' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ دراصل ان خطبات کا مجموعہ ہے جو مولانا معین الدین خٹکؒ نے ادارۂ معارفِ اسلامی کراچی کے زیر اہتمام ۱۹۶۶ء میں دو ماہ سے کم عرصے میں دیے تھے۔ بعد میں ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ان کو کاغذ پر منتقل کیا گیا اور پروفیسر نور ورجان نے محنت وجاں فشانی سے بہ حسن وخوبی اس کی ترتیب وتدوین کا کام انجام دیا۔

مولانا معین الدین خٹکؒ (م ۱۹۸۲ء) جماعت اسلامی پاکستان کے فعّال رکن، محقق، مفسر اور فقیہ تھے۔ انہیں بہ یک وقت کئی علوم پر دست رس تھی۔ زیر تبصرہ کتاب کے مباحث کی جامعیت کو دیکھ کر علوم شرعیہ میں ان کی مہارت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

کتاب کا پہلا حصہ مصادرِ شرعیہ کی پہلی قسم: کتاب اللہ کے مباحث پر مشتمل ہے۔ اس میں الفاظ کے مختلف استعمالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے چار تقسیمیں کی گئی ہے: وضع

کے اعتبار سے،ظہور اور خفا کے اعتبار سے،حقیقت اور مجاز کے اعتبار سے، استدلال کے اعتبار سے۔اس کے علاوہ سات اور ذیلی سرخیاں ہیں، جیسے:فقہ کیسے وجود میں آئی؟ اصول فقہ کی تعریف،امر ونہی،حروفِ معانی،حروفِ جارّہ،حروفِ شرط اوراحکام کی تقسیم۔ ہر سرخی کے تحت عالمانہ اور محققانہ انداز میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔کتاب کا دوسرا حصہ دیگر مصادرِ شریعت :سنت رسول ﷺ، اجماع ، قیاس کے علاوہ استحسان اور اجتہاد سے بحث کرتا ہے ۔ اس میں سنتِ رسول کی لغوی و اصطلاحی تعریف کے ساتھ، اس کی اقسام، ہر ایک کا حکم،منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات، شرائع از قبل اسلام، اجماع بحیثیت ماخذ قانون شرعی، اس کے مراتب، ارکان وصحت قیاس ، اجتہاد کے سلسلے میں مختلف آراء وافکار کا جائزہ وغیرہ،جیسی بحثوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کی خوبی یہ ہے کہ پہلے کسی بھی اصول کی نوعیت کو بیان کیا گیا ہے، قرآن وحدیث میں اس سلسلے میں جو رہ نمائی ملتی ہے،اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر الفاظ کے مختلف مدلولات کے نتیجے میں فقہاء کے اختلافات اور ان کے دلائل کو بیان کیا گیا ہے،البتہ فقہاء میں احناف اور شوافع کے علاوہ کسی اور کا تذکرہ نہیں آسکا ہے۔یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ لیکچر دیتے وقت مولانا معین الدین خٹک کے سامنے کسی قسم کے نوٹس نہیں ہوتے تھے، پھر بھی ان کا لیکچر اتنے مرتب انداز میں ہوتا تھا۔

مرتبِ کتاب نے یہ احساس ظاہر کیا ہے کہ ’’اصول فقہ پر جو مواد اس وقت موجود ہے، وہ عربی زبان سے ترجمہ کیا گیا ہے اور ان تراجم کی زبان بھی مشکل، ثقیل اور گنجلک ہے۔‘‘جس وقت یہ خطبات پیش کیے گئے تھے،یعنی آج سے ۶۷ سال پہلے، اس وقت تو یہ خیال درست ہوسکتا تھا،لیکن آج اصول فقہ پر اردو زبان میں بھی کئی تصانیف موجود ہیں۔ جہاں تک زبان کی ثقالت کا تعلق ہے تو اس سے زیرِ تبصرہ کتاب بھی مکمل طور پر بری نہیں ہے ،البتہ یہ کہنا مناسب ہے کہ جس شرح وبسط کے ساتھ اس کتاب میں گفتگو کی گئی ہے اور اس کے مشمولات میں جو تنوّع ہے، شاید ہی اردو میں کوئی اور کتاب اس کے مماثل ہو۔

کتاب کی دوسری جلد کے اخیر میں ’کتابیاتِ اسلامی قانون‘ کے عنوان سے اسلامی

قانون کے موضوع پر تصنیف کردہ عربی، اردو اور انگریزی کتابوں کی ایک طویل فہرست شامل کی گئی ہے، جو اس فن سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے مفید ثابت ہوگی ۔ یہ کتاب اساتذہ، اسکالرس اور طلبہ مدارس کے لیے گراں قدر علمی خدمت ہے۔ امید ہے، اس فن سے دل چسپی رکھنے والے قارئین اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ (محمد صادر ندوی)

بین الاقوامی تعلقات اور مفکرین اسلام ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

ناشر: البلاغ پبلی کیشنز: N-1 ابوالفضل جامعہ نگر، نئی دہلی، سنۂ اشاعت: ۲۰۲۱ء، صفحات: ۲۳۹، قیمت: ۳۵۰/روپے

حکومتوں اور ریاستوں کا باہم سیاسی، معاشی اور تجارتی تعلق معروف اصطلاح میں 'بین الاقوامی تعلقات' کہلاتا ہے۔ بہ حیثیت مضمون یہ جنگ عظیم دوم کے بعد متعارف ہوا۔ اس سے قبل یہ علم سیاسیات کا ذیلی موضوع تھا۔ اسلامی لٹریچر میں اس کے لیے 'سیر' کی اصطلاح رائج تھی۔ فقہاء نے مسلمانوں کے دیگر اقوام سے تعلقات و معاملات اور صلح و جنگ کے اصول وآداب بیان کیے ہیں۔ بیسویں صدی میں خاص طور سے اس پر قابل ذکر کام ہوا ہے ۔ ڈاکٹر حمید اللہؒ، ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ اور ڈاکٹر وھبہ الزحیلیؒ کی کتابیں اس موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

دنیا کے گلوبل ولیج ہونے سے اس موضوع پر کام کی ضرورت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے ۔ بدلتے ہوئے حالات میں حکومتوں کے درمیان تعامل کے اسلامی اصول، اسلامی ریاست کے غیر مسلم ریاست سے تعلقات کی بنیادیں اور غیر مسلم ریاست کی مسلم اقلیت کے حقوق کے تحفظ کے لیے ممکنہ کوششیں کیا ہوسکتی ہیں؟ یہ بحث کا موضوع بننا چاہیے۔

زیر نظر کتاب 'بین الاقوامی تعلقات اور مفکرین اسلام' بین الاقوامی تعلقات پر قدیم مسلم مفکرین کی تصانیف کے تجزیاتی مطالعے پر مشتمل ہے۔ مصنف کتاب ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی نے مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ اور پوسٹ ڈاکٹریٹ کی ہے۔ حالاتِ حاضرہ اور مسلمانوں کے سماجی وسیاسی مسائل پر ان کی تحریریں اخبارات میں کثرت سے شائع ہوتی ہیں اور شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ خسرو فاؤنڈیشن نئی دہلی سے ان کی شائع شدہ کتاب 'ہندوستان کی شرعی حیثیت' پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی ہے۔ مطالعۂ ادیان ان کی

دل چسپی کا موضوع ہے۔اس پر ان کا علمی کام منظرِ اشاعت ہے۔

یہ کتاب مقدمہ اور چار ابواب پر مشتمل ہے۔مصنف نے تمہید میں موضوع کی اہمیت وافادیت اور اس پر منتشر مواد کی نشان دہی اور مستقل تصانیف کا خوب صورتی سے احاطہ کیا ہے۔باب اول 'بین الاقوامی تعلقات کا اہم پہلو' اظہارِ رائے کی آزادی' کے عنوان سے ہے۔اس میں اظہارِ رائے کی تعریف، اسلامی نقطۂ نظر کی توضیح، سیرت نبویؐ اور خلفائے راشدین سے اس کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔مغرب کے اظہارِ رائے کی آزادی کی حقیقت قلم بند کی ہے۔ بحث کے اخیر میں اظہارِ رائے کے شرعی حدود بھی بیان کیے ہیں۔ باب دوم کا عنوان ہے: 'سماجی و معاشرتی عدل کا قیام قاضی ابو یوسفؒ کے افکار کی روشنی میں' اس باب میں 'کتاب الخراج' کے مشمولات کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے۔باب سوم میں ابو عبید قاسم بن سلاّم کی 'کتاب الاموال' کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اسلامی مملکت کو غیر مسلموں اور مفتوحہ علاقوں سے حاصل ہونے والی آمدنی اور غیر مسلموں سے دیگر معاملات اور تعلقات کے سلسلے میں اسلامی احکام کی وضاحت کی گئی ہے۔چوتھے اور آخری باب میں 'مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الراشدۃ' کی روشنی میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے افکار کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

یہ مقالات اگر چہ مختلف اوقات میں لکھے گئے تھے، لیکن موضوع ومواد کی یکسانیت کے پیش نظر انھیں کتابی صورت دے دی گئی ہے۔جدید علمی طرزِ تصنیف، مآخذ ومصادر کی نشان دہی، متعلقہ موضوع پر ہونے والے علمی کاموں کا تذکرہ اور پیش نظر کام کی ضرورت وافادیت کا بیان، اس کتاب کی خوبیاں ہیں۔البتہ آئندہ ایڈیشن میں چند چیزوں پر توجہ دی جائے تو کتاب کا علمی وزن بڑھ جائے گا۔اس موضوع پر امام محمدؒ کی 'السیر الصغیر' اور 'السیر الکبیر' اور امام اوزاعیؒ کی 'السیر' کے محض تذکرہ کے بجائے اس پر مستقل بحث ہونی چاہیے۔اسی طرح ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری، ڈاکٹر وھبہ زحیلی کے علمی کاموں کا مفصل تذکرہ ہونا چاہیے۔زبان و بیان کا سقم، کتابت کی اغلاط اور قدیم اردو املا باذوق قاری پر گراں گزرتا ہے۔اس پر خصوصی توجہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔امید ہے، یہ کتاب اہل علم کے لیے دل چسپی کا باعث ہوگی۔ (محمد انس فلاحی مدنی)

روداد اجتماع بہ یاد مولانا محمد فاروق خانؒ

مولانا رویدخاں فلاحی

۱۶؍اگست ۲۰۲۳ء کو سابق صدر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی مولانا محمد فاروق خانؒ کی وفات پر ایک اجتماع منعقد ہوا۔اس میں ملک کی معزز شخصیات اور اہل علم نے مولانا مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا اوران کی شخصیت کے متعدد پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

افتتاحی کلمات امیر جماعت اسلامی ہند جناب سید سعادت اللہ حسینی نے پیش کیے۔ آپ نے کہا کہ مولانا محمد فاروق خانؒ جماعت اسلامی ہند کے سلسلۃ الذہب کا حصہ تھے۔ انھوں نے تحریک کے مختلف میدانوں کی آبیاری کی تھی۔قرآن، فلسفہ،ادیان،ادب،شاعری اور ہندوفلسفہ پران کی شاہ کار تصانیف موجود ہیں۔وہ جمالیات، روحانیت اوراخلاقیات کا پیکر تھے۔

پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی نے قرآن کی آیت 'وَمَا تَدْرِی نَفْسٌ بِأَیِّ أَرْضٍ تَمُوتُ' سے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے مولاناؒ کی زندگی کے آخری ایام پر روشنی ڈالی۔آپ نے وضاحت کی کہ برادرانِ وطن نے مولانا کی نگارشات اور کتابوں سے قرآن وحدیث کے پیغام کو سمجھا ہے۔انھوں نے مولانا کی حدیثی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ حدیث کی کتابوں میں مجھے سب سے زیادہ علمی،تحقیقی اور تذکیری پہلو سے جس کتاب نے متاثر کیا ہے وہ 'کلام نبوت' ہے۔پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے کہا کہ قرآن کی نظر میں اللہ کے ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان کامل اور تقویٰ کامل کے پیکر ہوں۔مولانا ان دونوں خوبیوں کے مالک تھے۔کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ان کا بنیادی سرمایہ ہے۔انھوں نے فرمایا کہ مولانا کسی مدرسے کے سند یافتہ نہیں تھے،لیکن قرآن وسنت سے براہ راست استفادہ کی طلب اور تڑپ کی وجہ سے آپ نے عربی زبان میں اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا کر لی تھی۔

مولانا ضمیر الحسن فلاحی (امیر جماعت اسلامی ہند حلقۂ یوپی مغرب) نے مولانا کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آپ برابر قرآن وحدیث پر تدبر

وتفکر کرتے رہتے تھے۔آپ نے اپنے دروس میں پانچ بار قرآن مکمل کیا ہے۔ڈاکٹر سکندر علی اصلاحی نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ مولانا اپنے ذاتی معاملات میں بہت محتاط اور کفایت شعار تھے۔ انھوں نے پوری زندگی درویشانہ اور فقیرانہ گزاری۔ ان کی سخاوت وفیاضی اعلیٰ درجہ کی تھی۔قرآن، علوم حدیث اور اسرار شریعت پر ان کو عبور حاصل تھا۔ مولانا عبدالحق فلاحی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ مولانا کا تعلق پڑھے لکھے گھرانے سے نہیں تھا۔انھوں نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ ان کی محنت،صبر،لگن اور جدّ و جہد کا نتیجہ تھا۔ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی نے مولانا مرحوم کے ترجمۂ قرآن کی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کے ہندی ترجمۂ قرآن اور تفسیری حواشی میں خاص طور سے برادرانِ وطن کے ذہن کو سامنے رکھا گیا ہے۔ وہ اپنے ترجموں میں قرآن کریم کے شاہانہ اسلوب پر زور دیتے تھے۔ان کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ انھوں نے ہندو فلسفہ اور فکر کو گہرائی کے ساتھ ہندی و سنسکرت میں سمجھا تھا۔یہی وجہ تھی کہ غیر مسلم ان کی محفلوں میں شوق سے آتے اور ان کی باتیں دل چسپی سے سنا کرتے تھے۔

ڈاکٹر محی الدین غازی نے بتایا کہ مولانا کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی ہر آن تازہ دم جمالیاتی حس تھی۔اس چیز نے انھیں سید قطبؒ کا ہم مشرب بنا دیا تھا۔وہ جدّت اور ندرت پسندی کے شہ سوار تھے۔ڈاکٹر شہاب الدین قاسمی نے مولاناؒ کی شاعری،نظمیں اور قطعات کا ذکر کیا۔ان کے اشعار کی خوبی کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے عشق مجازی کے پردے میں عشق حقیقی کا اظہار کیا ہے۔پروفیسر ضیاء الدین ملک فلاحی نے مولانا کی قرآنی خدمات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ قرآن مجید میں غور وخوض کے ذوق نے ان کو قرآنی اسرار ورموز کا پارکھ بنا دیا تھا۔جناب انعام الرحمٰن خان نے مولانا سے اپنے ذاتی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے ان کا یہ جملہ نقل کیا کہ ’’اگر تم جاننا چاہتے ہو کہ اللہ کے یہاں تمہارا کیا مقام ہے تو اپنی زندگی میں اللہ کے مقام کو دیکھ لو۔‘‘پروفیسر کنور محمد یوسف امین نے فرمایا کہ مولانا مرحوم کہتے تھے کہ زندگی کی حقیقت اعلیٰ اقدار ہیں اور انہی کو اللہ تعالیٰ نے دین کی شکل دی ہے۔وہ کہا کرتے تھے کہ انسان کی اصل حقیقت تقرب اور تزکیہ ہی ہے۔

مولانا مرحوم کے فرزند جناب طارق انور خاں نے ان کی کفایت شعاری اور دین

کے لیے ان کی قربانی کے چند واقعات سنائے۔ان کو دین کی راہ میں لاحق ہونے والی مشقتوں، دینی شوق اور دعوتی زندگی کو بیان کیا۔انھوں نے بتایا کہ مولانا حساس طبیعت کے مالک تھے۔ نازیبا حرکتوں پر تنبیہ کرتے تھے۔کسی دعوتی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

ڈاکٹر حسن رضا ،چیئرمین اسلامی اکیڈمی ٹرسٹ کے تاثرات بشکل ویڈیو حاضرین کے سامنے پیش کیے گئے۔انھوں نے کہا کہ اپنے شہیدوں اور محسنوں کو یاد رکھنا ضروری ہے، تاکہ تمنائے شہادت اور احسان کا جذبہ باقی رہے۔آپ نے بتایا کہ مولانا درویش صفت عالم دین،شانِ استغنا کے پیکر، جفاکش اور محنتی تھے۔

اخیر میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے صدارتی کلمات میں مولانا مرحوم کی درج ذیل خصوصیات بیان کیں:(۱)اسلامیات میں مولانا نے سب سے زیادہ سرمایہ چھوڑا ہے۔آپ کی سو کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔(۲)موضوعات میں تنوع مولانا مرحوم کو ممتاز کرتا ہے۔ان کی قرآنیات پر پندرہ (۱۵) سے زیادہ کتابیں ہیں۔پندرہ (۱۵) سے زیادہ احادیث کے مجموعے ہیں۔اسی طرح فلسفہ، روحانیت ،دعوت دین اور خواتین پر متعدد کتابیں موجود ہیں۔(۳) عزم مصمم مولانا کی اہم خصوصیت تھی۔اسی کا نتیجہ ہے کہ عربی اور اسلامیات میں انھوں نے ذاتی دل چسپی سے مہارت حاصل کی۔ ادارۂ تحقیق سے مولانا کا تعلق بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ مولانا مرحوم نومبر ۱۹۸۵ سے ۲۰۰۰ء کے درمیان صدر رہے۔یہ ادارے کا زرّیں دور مانا جاتا ہے۔اس دوران میں ادارے کے ذریعے کئی نمایاں خدمات انجام پائیں۔

اجتماع کی نظامت سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے فرمائی۔اس اجتماع میں علی گڑھ کے محبین اور اہل علم ودانش کے علاوہ دہلی اور لکھنو سے مقالہ نگاران شریک ہوئے۔خواتین کی بھی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی۔آخر میں ادارہ کے جوائنٹ سکریٹری انجینئر آفتاب حسن مظہری نے کلماتِ تشکر پیش کیے۔

رپورٹ دوروزہ قومی سمینار بہ عنوان:
بین مذاہب شادیاں- پس منظر و پیش منظر

مولانا رویدخاں فلاحی

بین مذاہب شادیاں عصر حاضر کا سلگتا ہوا موضوع ہے۔اس مسئلے کی تنقیح اور صحیح صورت حال سے آگہی کے لیے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے دوروزہ قومی سمینار بہ عنوان 'بین مذاہب شادیاں- پس منظر و پیش' کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ یہ سمینار ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے اشتراک سے ادارہ میں مؤرخہ ۲۵-۲۶ ستمبر۲۰۲۳ء کو منعقد ہوا۔افتتاحی اور اختتامی اجلاس کے علاوہ تین علمی اجلاس ہوئے، جن میں ۲۲/مقالات پیش کیے گئے۔

افتتاحی اجلاس

افتتاحی اجلاس ۲۵/ستمبر۲۰۲۳ء بعد نماز مغرب مسجد ادارہ کی پہلی منزل پر ہوا۔ اس کی صدارت آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر اور اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے فرمائی۔مولانا صفدر علی ندوی (انچارج علمی امور فقہ اکیڈمی) نے استقبالیہ کلمات پیش کیے اور سمینار کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ نے افتتاحی خطبہ پیش کیا۔آپ نے ادارۂ تحقیق کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ادارہ کا مقصد اقامتِ دین، اشاعت اسلام، اصلاحِ معاشرہ، تطہیر افکار اور حالات کے مطابق علمی وفکری لٹریچر تیار کرنا ہے۔سمینار کے مرکزی عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ بین مذاہب شادی کی خبروں کو میڈیا نے coverege دے کر سنسنی خیز بنا دیا ہے، حالاں کہ ایسی شادیاں عموماً کام یاب نہیں ہو پاتیں اور اسلامی شریعت میں بھی انھیں جائز نہیں قرار دیا گیا ہے۔مہمان خصوصی پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے بین مذاہب شادیوں کے ضمن میں غور وفکر کے شرعی، قانونی اور سماجی، تین پہلو ذکر کیے۔آپ نے فرمایا

کہ امت کو اس وقت اچھے وکلاء کی ضرورت ہے، جو شرعی احکام میں درک رکھتے ہوں۔

صدرِ اجلاس حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ نے سمینار کے موضوع پر مفصل گفتگو کی۔ آپ نے بین مذاہب شادیوں پر غور کرنے کے چار پہلوؤں کا ذکر کیا: شرعی، قانونی، سماجی اور اصلاحی۔ انھوں نے فرمایا کہ اسلام نے نکاح کو 'عقد' سے تعبیر کیا ہے اور ہر عاقل و بالغ کو اپنا جوڑا منتخب کرنے کی اجازت ہے۔ اسلام لڑکی کی رضامندی اور زوجین کے درمیان ہم آہنگی پر خصوصی زور دیتا ہے۔ سماجی پہلو کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ بین مذاہب شادیوں میں ازدواجی زندگی میں تلخیاں بڑھ جاتی ہیں اور خاندان کا شیرازہ منتشر ہوجاتا ہے۔ اس سے بچوں کی زندگی پر بھی نفسیاتی اثر پڑتا ہے۔ اصلاحی پہلو کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے بچوں کی اسلامی نقوش پر تربیت کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اخیر میں انھوں نے غیر مخلوط تعلیمی ادارے قائم کرنے کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ اس اجلاس کا آغاز مولانا محمد صادر ندوی کی تلاوت سے ہوا۔ نظامت کے فرائض سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے انجام دیے۔

پہلا اجلاس

پہلا اجلاس پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس میں سات مقالے پڑھے گئے۔ پہلا مقالہ پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے 'سناتن دھرم میں شادی کا تصور' کے نام سے پیش کیا۔ آپ نے شادی کی آٹھ قسموں پر بحث کی اور اس کے خدّ و خال کو اجاگر کیا۔ دوسرا مقالہ ڈاکٹر ندیم اشرف نے 'بین مذاہب شادی کے اسباب و محرکات اور سد باب' کے عنوان سے پیش کیا۔ ڈاکٹر محی الدین غازی نے 'تصور حیات اور شریک حیات میں ہم آہنگی' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے بتایا کہ اسی وجہ سے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی عورتوں سے نکاح کو کسی دور میں پسندیدہ نہیں سمجھا گیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، جامعہ ہمدرد نئی دہلی نے 'بین مذاہب شادیوں کا بڑھتا رجحان' کے تحت گفتگو کی۔ انھوں نے بتایا کہ بھارت سرکار نے اب تک بین مذاہب شادیوں کا کوئی ڈیٹا پیش نہیں کیا ہے۔ مولانا محمد صادر ندوی کے مقالے کا عنوان تھا: 'بین مذاہب شادیوں کا

جائزہ-اعداد وشمار کی روشنی میں' ۔انھوں نے کہا کہ بین مذاہب شادیوں کی اکثر رپورٹس ۲۰۲۲ء سے پہلے کی ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی شادیاں پہلے سے ہوتی آرہی ہیں۔انھوں نے ٹائمس آف انڈیا کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب ۱۵۲/والدین سے سوالات کیے گئے تو پتہ چلا کہ والدین اور اولاد کے درمیان Communication کا فقدان ہے۔ڈاکٹر محمد احمد نعیمی، جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے مقالے کا عنوان تھا:''ہندوستانی سماج میں شادی: ایک تجزیہ ہندو دھرم کے حوالے سے۔'' ڈاکٹر شائستہ پروین علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے 'ہندوستان میں بین مذاہب شادیاں۔اعداد وشمار کی روشنی میں' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے اس سلسلے میں مختلف ممالک کی رپورٹس پیش کیں۔ ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی نے بین مذاہب شادی کے بارے میں ہندو دھرم اور بدھ مت کے حوالے سے گفتگو کی۔صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی نے کہا کہ اولاد کے درمیان کمیونیکیشن کو فروغ دینے اور ان کے خدشات کو سننے کی ضرورت ہے۔آپ نے کہا کہ مشترک معاشرہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں تھا۔خواتین بلا جھجک آپ سے سوال کرتی تھیں۔مسجد میں نماز کے لیے جایا کرتی تھیں۔مغرب کے ردّعمل میں ہم لوگ مشترک معاشرے کے بارے میں منفی تاثر رکھتے ہیں، جب کہ اخلاقی حدود و قیود کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔اس اجلاس کی نظامت کے فرائض رفیق ادارہ مولانا کمال اختر قاسمی نے انجام دیے۔

دوسرا اجلاس

یہ اجلاس ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی صدارت میں منعقد ہوا۔اس میں آٹھ مقالات پیش کیے گئے۔پروفیسر مفتی زاہد علی خاں نے 'اہل کتاب سے نکاح' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔مولانا عبدالبر اثری فلاحی، ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی ممبئی نے 'غیر مذہب میں شادی کا رجحان اور بچوں پر اس کے اثرات'' کے تحت تفصیلی گفتگو کی۔آپ نے بتایا کہ بین مذاہب شادیاں صرف افراد پر نہیں، بلکہ سماج پر اثر ڈالتی ہیں۔مولانا محمد جرجیس کریمی نے اس عنوان پر اظہار خیال کیا کہ''بین مذاہب شادیوں کے رجحان کا سدّ باب کیسے کیا جائے؟

مولانا محمد کمال اختر قاسمی کے مقالے کا عنوان تھا: ''ہندوستان میں بین مذاہب شادیاں ۔ اسباب و علاج۔'' انھوں نے مختلف اسباب بیان کرنے کے ساتھ ان کا علاج بھی بتایا۔ مولانا محمد انس مدنی فلاحی کا مقالہ 'ارتداد: حقیقت یا افواہ۔ بین مذہبی شادیوں کے تناظر میں' کے عنوان پر تھا۔ انھوں نے کہا کہ بین مذہبی شادیوں کو ارتداد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ فقہاء بین مذہبی شادی میں فوری تفریق کا حکم تو دیتے ہیں، لیکن ارتداد کا حکم نہیں لگاتے۔ مولانا سالم برجیس ندوی نے 'مغربی ممالک میں بین مذہبی شادیاں۔ تحلیل و تجزیہ' کے تحت گفتگو کی۔ انھوں نے اس سلسلے میں مختلف رپورٹس کا ڈیٹا پیش کیا اور اس کے اسباب پر گفتگو کی۔ ڈاکٹر وارث مظہری جامعہ ہمدرد نئی دہلی کے مقالے کا عنوان تھا: ''معاصر اہل کتاب سے شادی۔ جواز اور عدم جواز کی روشنی میں''۔ مولانا محفوظ الرحمٰن ندوی نے 'بین مذاہب شادیوں کا محرک۔ نکاح میں تاخیر' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔

آخر میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے صدارتی کلمات پیش کیے۔ آپ نے مقالات کے اہم نکات کا خلاصہ بیان کیا۔ اس اجلاس میں نظامت کے فرائض ڈاکٹر وراث مظہری نے انجام دیے۔

تیسرا اجلاس

تیسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر توقیر عالم فلاحی ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے فرمائی۔ اس میں سات مقالات پیش کیے گئے۔ پہلا مقالہ 'طلاق اور گھریلو تشدد کے نتیجے میں سماج اور خاندان پر پڑنے والے اثرات' کے عنوان پر ڈاکٹر خان مبشرہ فردوس صاحبہ کا بہ شکل ویڈیو پیش کیا گیا۔ پروفیسر محمد راشد اصلاحی شعبۂ دینیات سنّی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے 'بین مذاہب شادیاں اور اسلامی تعلیمات' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ ڈاکٹر سکندر علی اصلاحی نے اپنے مقالے میں بیان کیا کہ 'بین شادیوں کے رجحان کا سدِّ باب کیسے کیا جائے؟'' آپ نے واضح کیا کہ مخلوط تعلیم سے اپنے بچوں کو بچایا جائے اور نامحرموں سے ملتے ہوئے بے پردگی اور اختلاط سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی نے 'ہندومت میں پرسنل لا کا

نظام'' پر مختصر گفتگو کی۔ ڈاکٹر مبین سلیم ندوی ازہری نے 'بین مذاہب شادیاں اور اسلامی نقطۂ نظر' کے تحت مقالہ پیش کیا۔ مولانا عبید اللہ طاہر مدنی نے 'کتابیہ سے نکاح اور کتابیہ کا قرآنی مفہوم' کے تحت گفتگو کی اور کہا کہ اہل کتاب سے یہود و نصاری مراد ہیں، کیوں کہ یہ آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ کسی اور کو اہل کتاب نہیں کہا جاسکتا۔ ڈاکٹر ناصر شعبۂ دینیات (سنّی) علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے 'بین مذاہب شادیوں کے نقصانات' پر گفتگو کی۔

صدر اجلاس پروفیسر توقیر عالم فلاحی نے بین مذاہب شادیوں کے تدارک کے لیے عقیدے کی پختگی کی طرف توجہ دلائی۔ آپ نے کہا کہ والدین اپنے بچوں کی ذہانت کو ایمانی جامہ پہنائیں اور اسلام کے مطابق ان کی تربیت کریں۔ اس اجلاس میں نظامت کے فرائض ڈاکٹر ندیم اشرف نے انجام دیے۔

تأثراتی اجلاس

یہ اجلاس پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر محی الدین غازی اور انجینئر نسیم احمد خاں (ڈائریکٹر برج کورس، اے، ایم، یو) نے تاثرات کا اظہار کیا انھوں نے سمینار کو بہتر بنانے کے لیے بعض مشورے دیے۔ مہمان خصوصی پروفیسر محمد کفیل قاسمی نے منتظمین کو مبارک باد دی کہ انھوں نے ایک حسّاس موضوع کا انتخاب کیا۔ مولانا صفدر علی ندوی نے تجاویز پیش کیں۔ سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے تمام شرکاء اور مقالہ نگاران کا شکریہ ادا کیا۔ پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے اپنے صدارتی خطاب میں جملہ مقالہ نگاران کی تعریف کی اور سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی کی کوششوں کو سراہا کہ انھوں نے اپنے رفقاء اور اسکالرس کے ذریعہ بہترین نظم و نسق کیا اور سمینار کو کام یاب بنانے کے لیے خوب محنت کی ہے۔

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی (۸۹)

☆ **صدرِادارہ کی کتابوں کی اشاعت:** صدرِادارۂ تحقیق مولانا محمد رضی الاسلام ندوی کی دو کتابیں حال میں منظر عام پر آئی ہیں؛ (۱) 'معمارِ جہاں تو ہے۔ (مسلم خواتین علم وعمل کے میدان میں) یہ کتاب القلم پبلی کیشنز کشمیر اور ہدایت پبلشرز نئی دہلی کے اشتراک سے شائع ہوئی ہے۔ صفحات: ۲۸۸، قیمت: ۳۰۰/روپے (۲) 'وراثت کے اسلامی قوانین' کو شریعہ کونسل، جماعت اسلامی ہند نے طبع کیا ہے۔ صفحات: ۵۶۔

☆ **اجتماع بہ یاد مولانا محمد فاروق خانؒ:** ۱۶/جولائی ۲۰۲۳ء کو ادارہ کے سابق صدر معروف ہندی مترجم قرآن مولانا محمد فاروق خانؒ کی یاد میں ایک اجتماع منعقد ہوا۔ (اس کی روداد الگ سے شائع کی جارہی ہے۔)

☆ **سمینار بہ عنوان 'بین مذاہب شادیاں-پس منظر وپیش منظر' کا انعقاد:** مؤرخہ ۲۵-۲۶/ستمبر ۲۰۲۳ء کو ادارہ میں دو روزہ قومی سمینار بہ عنوان: 'بین مذہبی شادیاں - پس منظر وپیش منظر' کا انعقاد ہوا۔ (اس سمینار کی مفصل رپورٹ اسی شمارے میں موجود ہے۔)

☆ **توسیعی خطبہ:** ۲۰/اگست ۲۰۲۳ء کو 'اعجازِ قرآن کے وجوہ' کے موضوع پر پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی کا توسیعی خطبہ ہوا۔ پروفیسر موصوف نے اعجازِ قرآن کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مختلف ادوار میں اعجازِ قرآن کی مختلف شکلیں تھیں، ابتدائی دو صدیوں میں قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کے پہلو پر بحثیں ہوئیں، لیکن چوتھی اور پانچویں صدی میں غیبیات کی بحث بھی اعجازِ قرآن کا حصہ بنی۔ انھوں نے اپنے لیکچر میں اعجازِ قرآن پر امام خطابیؒ، امام ابن قیمؒ، علامہ سیوطیؒ اور عائشہ بنت عبد الرحمٰن الشاطیؒ کی آراء اور اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا تذکرہ کیا۔ صدر مجلس پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی (سابق چیئرمین شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) نے اپنی صدراتی گفتگو میں اعجازِ قرآن کے اہم عصری گوشوں کو واضح کیا، جو اس وقت علماء واسکالرس کے درمیان زیر بحث ہیں۔ سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے اہم موضوعات پر توسیعی خطبات اور سمینار وکانفرنس کے سلسلے میں ادارہ کی مستقل سرگرمیوں کا ذکر کیا۔

پروگرام کا آغاز مولانا انعام الحق قاسمی (اسکالرادارہ) کی تلاوت سے ہوا، جب کہ نظامت کے فرائض رفیق ادارہ مولانا محمد صادر ندوی نے انجام دیے۔ پروگرام میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے اساتذہ واسکالرس کے علاوہ شہر کے اہل علم ودانش کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

☆ **ڈاکٹر محی الدین غازی کے ساتھ نشست:** ۱۱؍جولائی ۲۰۲۳ء کو ڈاکٹر محی الدین غازی (مدیر ماہ نامہ زندگی نو، نئی دہلی) کی ادارہ آمد پر اسکالرس کے ساتھ علمی نشست منعقد ہوئی۔آپ نے اپنی گفتگو میں تحقیق وتصنیف کے اصول بتائے، کئی نئی زبانیں سیکھنے اور سمجھنے کی ترغیب دلائی، ساتھ ہی ادبی صلاحیتوں کونکھارنے کے لیے ادبی کتب کے مطالعہ کی ترغیب دی۔

☆ **ڈاکٹر آفاق ندیم کے ساتھ نشست:** ۹؍اگست ۲۰۲۳ بروز بدھ ڈاکٹر آفاق ندیم (اسسٹنٹ پروفیسر، مولانا آزاد اردو نیشنل یونی ورسٹی، بھوپال کیمپس) کی آمد پر اسکالرس کے ساتھ علمی نشست منعقد ہوئی۔ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ جب آپ تحقیق کریں تو تحقیق کے جو اصول Scientific Research کے مطابق بنائے گئے ہیں، ان کو فالو کریں، تب جا کر آپ دنیا والوں سے انہی کی زبان میں گفتگو کرسکیں گے۔ بعد میں اسکالرس نے سولات کیے، جن کے مہمان محترم نے تسلی بخش جواب دیے۔

☆ **مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی کے ساتھ نشست:** ۱۴؍جولائی ۲۰۲۳ء کو مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی (استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو) ادارہ تشریف لائے تو ان کے ساتھ علمی نشست کا انعقاد ہوا۔موصوف نے فرمایا کہ تحقیق صبر کا مطالبہ کرتی ہے، اس میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ہمیں حالات کے تقاضوں کے مطابق تحقیق کر کے علمی کام پیش کرنا چاہیے۔ حالات ہی موضوعات پیدا کرتے ہیں۔ کثرتِ مطالعہ سے نئے نئے علمی گوشے واہوتے ہیں اور اہم موضوعات کی نشان دہی ہوتی ہے۔

☆ **ڈاکٹر انعام اللہ فلاحی کی ادارہ آمد:** ۱۵؍جولائی ۲۰۲۳ء کو ڈاکٹر انعام اللہ فلاحی، مقیم ریاض (سعودی عرب) ادارہ تشریف لائے۔سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے ادارہ کے جملہ شعبۂ جات کا معائنہ کرایا اور علمی سرگرمیوں سے واقف کرایا۔

ڈاکٹر موصوف نے اپنی گفتگو میں کہا کہ انسان علمی دنیا کو چھوڑ کر سب کچھ حاصل کر بھی لے تو بھی کفِ افسوس ملتا رہتا ہے۔ خواہشات لامتناہی ہیں، اس لیے تحقیقی وتصنیفی کام کو صبر واستقامت اور لگن سے جاری رکھنا چاہیے۔

☆ **اسکالرس سمینار:** ۱۹/اگست ۲۰۲۳ء کو ادارہ میں 'مطالعہ تصانیف: مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ' کے عنوان سے اسکالر سمینار منعقد ہوا۔ اس کی صدارت پروفیسر محمد ادریس (سابق چیئرمین شعبۂ کیمیکل انجینئرنگ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) نے فرمائی۔ افتتاحی کلمات جوائنٹ سکریٹری انجینئر آفتاب حسن مظہری نے پیش کیے۔ انھوں نے مولانا مودودیؒ کی تصنیفات کی عصری معنویت وافادیت پر گفتگو کی۔ سمینار میں نو (۹) مقالات پیش کیے گئے۔ محمد صادر ندوی نے 'خلافت وملوکیت'، سالم برجیس ندوی نے 'تنقیحات'، محمد عمر فیاض نے 'سنت کی آئینی حیثیت'، ندیم اختر سلفی نے 'قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'، احمد رضوان ندوی نے 'اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر'، انعام الحق قاسمی نے 'الجہاد فی الاسلام'، عبد العزیز سلفی نے 'پردہ'، مجیب الرحمٰن فلاحی نے 'اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات' اور سالم فاروق نے 'رسائل ومسائل' پر اپنے مقالات پیش کیے۔ سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے اسکالرس کی محنت اور مقالات کی عمدہ پیش کش کو سراہا۔ اخیر میں صدر محترم پروفیسر محمد ادریس نے صدارتی کلمات میں مولانا مودودیؒ کے لٹریچر کی معنویت پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ دور میں مولانا مودودیؒ کے لٹریچر نے جدید ذہن کو بڑے پیمانے پر متاثر کیا ہے۔ عمدہ مقالات کی پیش کش پر صدر محترم کی طرف سے محمد صادر ندوی، ندیم اختر سلفی اور مجیب الرحمٰن فلاحی کو بالترتیب اول، دوم، سوم انعامات سے نوازا گیا۔

☆ **جناب توفیق اسلم کی ادارہ آمد:** ۱۳/ستمبر ۲۰۲۳ کو ادارہ میں جماعت اسلامی ہند کے مرکزی سکریٹری جناب توفیق اسلم تشریف لائے۔ ان کی آمد پر کانفرنس ہال میں ایک نشست منعقد ہوئی۔ مہمان موصوف نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ہمارے ملک میں دعوت کے لیے میدان بہت وسیع ہے اور دستور ہمیں اس کی اجازت دیتا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنے دعوتی تجربات اور مشاہدات کا بھی ذکر کیا۔

☆ **ادارہ کی مجلس منتظمہ ومجلس عام کا اجلاس:** مؤرخہ ۲۳؍جولائی ۲۰۲۳ء کو ادارہ کی مجلس منتظمہ اور مجلس عام کا سالانہ اجلاس دفتر ادارہ میں منعقد ہوا۔ اس میں سال بھر کی کارکردگی اور پیش رفت کا جائزہ لیا گیا۔ آمد وصرف کی آڈٹ رپورٹ بھی پیش کی گئی اور اگلے مالی سال کا بجٹ مجلس نے منظور کیا۔ مولانا محمد انس مدنی کو مستقل کرنے اور مولانا محمد صادر ندوی اور مولانا سالم برجیس ندوی کو رفیق بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

☆ **مولانا محمد جرجیس کریمی کا توسیعی خطبہ:** ۳۰؍ستمبر ۲۰۲۳ء کو خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن میں مولانا محمد جرجیس کریمی نے 'اہل ایمان کی صفات' کے موضوع پر توسیعی خطبہ دیا۔ انھوں نے سورۂ احزاب، سورۂ مومنون اور سورۂ فرقان کے حوالے سے مومنین کی صفات پر روشنی ڈالی۔ خطبے کے بعد حاضرین نے سوالات کیے، جن کے مولانا محترم نے تسلی بخش جواب دیے۔ اس پروگرام میں مرکز کے اساتذہ اور بی اے اور ایم اے کے طلبہ شریک ہوئے۔

توحید اور قیامِ عدل

مولانا محمد جرجیس کریمی

عقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے، جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال و توازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک و الحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار و خیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ **صفحات:** ۹۲ **قیمت:** ۵۰؍روپے

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ جلد۴۲، ۲۰۲۳ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرف آغاز			
خلع کی شرعی حیثیت	محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۵-۲۷
کم سنی کی شادی-اسلام کا نقطۂ نظر	محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۱۳۳-۱۴۸
استحکام خاندان کی تدابیر۔			
قرآن وحدیث کی روشنی میں	محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۲۶۱-۲۸۰
نکاح میں تاخیر۔اسباب اور حل	محمد رضی الاسلام ندوی	۴	۳۸۹_۴۰۴
تحقیق وتنقید			
امر بالمعروف ونہی عن المنکر : فرض کفایہ یا فرض عین؟	ڈاکٹر محی الدین غازی	۴	۴۰۵_۴۳۴
قرآنیات			
قرآن مجید کے چند اردو تراجم	ڈاکٹر شاکر حسین خاں	۱	۲۹-۴۶
مولانا غلام رسول سعیدی کا ترجمۂ قرآن			
اور ہم مسلک تراجم سے اس کا تقابل	ڈاکٹر شاکر حسین خاں	۳	۲۸۱-۲۹۹
اسلامیات			
رفاہِ عامہ اور اسلام	ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی	۳	۳۴۹-۳۶۲
فقہیات			
نکاحِ مسیار	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۱	۴۷-۷۰
شرکتِ محدودہ (لمیٹیڈ کمپنی) کی شرعی حیثیت	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۲	۱۶۳-۱۸۸
اقتصادیات			
کسب معاش اور اسلام	مولانا محمد انس فلاحی مدنی	۲	۱۸۹-۲۱۲
مطالعۂ مذاہب			
یہودی الٰہیات کا تنقیدی جائزہ	حافظ احسن رضا	۲	۱۴۹-۱۶۲
بائبل اور قرآن میں قربانی کا تصور	پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی	۳	۳۰۱-۳۱۶

کلامیات

سرسید کی کلامی فکراوراس کا منہج -ایک تجزیاتی مطالعہ ڈاکٹر وارث مظہری ۱ ۷۱-۹۲

اقبال اور جدید کلام: فکر و منہج کات تجزیاتی مطالعہ ڈاکٹر وارث مظہری ۴ ۴۶۱-۴۸۴

بحث ونظر

فکری انحرافات: شکلیں، اسباب اور تدارک مولانا محمد صادر ندوی ۴ ۴۳۵-۴۶۰

شخصیات وافکار

مولانا محمد عبدالحلیم چشتی ۔شخصیت اور محاسن جناب ظفر اقبال ۱ ۹۳-۱۴۴

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی خدمات مولانا سید جلال الدین عمریؒ ۳ ۳۶۳-۳۶۷

جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون۔

ہم آہنگی اور اختلاف کے پہلوؤں کا جائزہ پروفیسر عبیداللہ فہد فلاحی ۳ ۳۱۷-۳۴۸

مطالعۂ کتب

تفسیروں میں اسرائیلی روایات پروفیسر ابوسفیان اصلاحی ۲ ۲۱۳-۲۳۸

رپورٹ سیمینار

بین مذہبی ۔شادیاں پس منظر و پیش منظر رویدخان فلاحی ۴ ۴۸۹-۴۹۱

اجتماع بیاد مولانا محمد فاروق خاںؒ رویدخان فلاحی ۴ ۴۹۲-۴۹۶

تعارف وتبصرہ

محدثات: علم حدیث کے ارتقا میں خواتین کی خدمات جناب محمد عبدالحی اثری ۱ ۱۱۵-۱۱۸

The Foreign vocabular of the Qur'an محمد رضی الاسلام ندوی ۲ ۲۳۹-۲۴۲

مسلم علماء کا مطالعۂ ہندو دھرم مولانا محمد جرجیس کریمی ۲ ۲۴۳-۲۴۴

خطباتِ شبلی (نو دریافت) جناب محمد عبدالحی اثری ۳ ۳۶۸-۳۷۰

علمائے کشمیر کی دینی وعلمی خدمات مولانا محمد صادر ندوی ۳ ۳۷۰-۳۷۲

بزم رفتہ (وفیاتی تحریریں) مولانا محمد انس فلاحی مدنی ۳ ۳۷۲-۳۷۳

اصول فقہ مولانا محمد صادر ندوی ۴ ۴۸۵-۴۸۷

بین الاقوامی تعلقات اور مفکرین اسلام مولانا محمد انس فلاحی مدنی ۴ ۴۸۷-۴۸۸

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۸۶) ادارہ ۱ ۱۱۹-۱۲۰

" " " (۸۷) ادارہ ۲ ۲۴۵-۲۴۷

" " " (۸۸) ادارہ ۳ ۳۷۴-۳۷۶

" " " (۸۹) ادارہ ۴ ۴۹۷-۵۰۰

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ جلد۴۲، ۲۰۲۳ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
اثری، محمد عبدالحی	محدثات: علم حدیث کے ارتقاء میں خواتین کی خدمات	۱	۱۱۵-۱۱۸
،، ،،	خطباتِ شبلی (نو دریافت)	۳	۳۶۸-۳۷۰
احسن رضا	یہودی الٰہیات کا تنقیدی جائزہ	۲	۱۴۹-۱۶۲
اصلاحی، ابوسفیان	تفسیروں میں اسرائیلی روایات	۲	۲۱۳-۲۳۸
خان، شاکر حسین	قرآن مجید کے چند اردو تراجم	۱	۲۹-۴۶
،، ،،	مولانا غلام رسول سعیدی کا ترجمۂ قرآن اور ہم مسلک تراجم سے اس کا تقابل	۳	۲۸۱-۲۹۹
ظفر اقبال	مولانا محمد عبدالعلیم چشتیؒ۔ شخصیت اور محاسن	۱	۹۳-۱۱۴
عمریؒ، سید جلال الدین	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی خدمات	۳	۳۶۳-۳۶۷
غازی، محی الدین	امر بالمعروف ونہی عن المنکر: فرض کفایہ یا فرض عین؟	۴	۴۰۵-۴۳۴
فلاحی، رویدخان	رپورٹ سمینار 'بین مذہبی شادیاں	۴	۴۸۹-۴۹۱
،، ،،	روداد اجتماع بہ یاد مولانا فاروق خاں	۴	۴۹۲-۴۹۶
فلاحی، عبیداللہ فہد	جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون: ہم آہنگی اور اختلاف کے پہلوؤں کا جائزہ	۳	۳۱۷-۳۴۸
قاسمی، اختر امام عادل	شرکتِ محدودہ (لمیٹیڈ کمپنی) کی شرعی حیثیت	۲	۱۶۳-۱۸۸
قاسمی، ظفر دارک	رفاہِ عامہ اور اسلام	۳	۳۴۹-۳۶۲
قاسمی، محمد سعود عالم	بائبل اور قرآن میں قربانی کا تصور	۳	۳۰۱-۳۱۶
قاسمی، ولی اللہ مجید	نکاحِ مسیار	۱	۴۷-۷۰
کریمی، محمد جرجیس	مسلم علماء کا مطالعۂ ہندو دھرم	۲	۲۴۳-۲۴۴
مدنی، محمد انس فلاحی	بزم رفتہ (وفیاتی تحریریں) (تبصرہ)	۳	۳۷۲-۳۷۳
،، ،،	بین الاقوامی تعلقات اور مفکرین اسلام (تبصرہ)	۴	۴۸۷-۴۸۸
،، ،،	کسب معاش اور اسلام	۲	۱۸۹-۲۱۲

ندوی، محمد رضی الاسلام	استحکام خاندان کی تدابیر۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں	۳	۲۶۱-۲۸۰
،، ،،	خلع کی شرعی حیثیت	۱	۵-۲۷
،، ،،	کم سنی کی شادی-اسلام کا نقطۂ نظر	۲	۱۳۳-۱۴۸
،، ،،	نکاح میں تاخیر۔اسباب اور حل	۴	۳۸۹-۴۰۴
،، ،،	The Foreign vocabularu of the Qur'an	۲	۲۳۹-۲۴۲
ندوی، محمد صادر	علمائے کشمیر کی دینی وعلمی خدمات (تبصرہ)	۳	۳۷۰-۳۷۲
،، ،،	فکری انحرافات: شکلیں، اسباب اور تدارک	۴	۴۳۵-۴۶۰
وارث مظہری	اقبال اور جدید علم کلام: فکر ومنہج کا تجزیاتی مطالعہ	۴	۴۶۱-۴۸۴
،، ،،	سرسید کی کلامی فکر اور اس کا منہج - ایک تجزیاتی مطالعہ	۱	۷۱-۹۲

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمریؒ

خدمتِ خلق کے موضوع پر یہ ایک شاہ کار تصنیف ہے۔ اس میں درج ذیل عناوین پر بڑی عالمانہ اور تحقیقی بحث کی گئی ہے:

خدمت خلق کا صحیح تصور اور غلط تصورات کی تردید، خدمتِ خلق کا اجر وثواب، خدمت کے مستحقین، خدمت سب کی کی جائے، وقتی خدمات، رفاہی خدمات، خدمت کے لیے انفرادی واجتماعی کوششیں، خدمت کے لیے اخلاص کی ضرورت۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔ صفحات: ۱۵۴، قیمت: ۱۱۰/روپے

اس کتاب کا انگریزی، عربی ہندی، ملیالم اور تمل زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی۔ 110025

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI

Aligarh

Vol. 42 No.4

October - December 2023

Editor

Mohammad Raziul Islam Nadvi

Editorial Board

1- **Prof. Ishtiyaq Ahmed Zilli**
Nazim Darul Musannifin Azamgarh

2- **Prof. Saud Alam Qasmi**
Dean Feculty of Theology, AMU, Aligarh

3- Prof. Israr Ahmed Khan
D/o Tafsir, University of Ankara (Turkey)

4- **Dr Muhammed Akram Nadvi**
Dean Cambridge Islamic College (UK)

5- **Ml. Ashhad Jamal Nadvi**
Secretary Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Nabi Nagar (Jamalpur)، P.O. Box: 93

ALIGARH - 202 002 (INDIA)

www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Delay in Nikah - Causes and Remedy** **5**

Mohammad Raziul Islam Nadwi

2. **Enjoining Virtue and Forbidding Vice -**

Individual Obligation or Collective Obligation:

An Analysis of Islamic Traditions **21**

Dr. Mohiuddin Ghazi

3. **Ideological Deviation: Forms, Causes and Remedy** **51**

Ml. Muhammad Sadir Nadwi

4. **Iqbal and Modern Science of Discourse :**

Analytical Study of Its Thought and Doctrine **77**

Dr. Waris Mazhari

7. **Book Reviews** **101**

5. **Report of Ijtima on Ml. Mohammad Farooqe Khan** **105**

Ml. Ruwaid Khan Falahi

6. **Report of National seminar on: Interfaith**

Marriages: Background and Prospects **108**

Ml. Ruwaid Khan Falahi

7. **Activities of Idara-e-Tahqee-o-Tasneef-e-Islami** **113**

8. **Annual List of Articles and Authors** **117**

Abstract of the Articles

Delay in Nikah - Causes and Remedy

Mohammad Raziul Islam Nadwi

President Idara-i-Tahqeeq-o-Tasneef-i-Islami, Aligarh

mrnadvi@gmail.com

Islam has enjoined to lead a family life and for this purpose declared Nikah as essential. In the human history, different societies have fallen prey to going to the extremes in respect of the time for Nikah. In the ancient time, there was the tradition of early age Nikah. But now gradually the trend of making delay in Nikah is gaining ground. Both of these attitudes are immoderate and detrimental to the society. Among its main causes are the practice of dowry, following extravagant customs, sectarianism, high standard of life, and crave for receiving higher education. These factors are leaving bad and negative effect on the society - sexual waywardness is getting common, the rate of birth of children is decreasing, and to some extent inter-religious marriages are also increasing.

The Islamic point of view is that the best time for Nikah is adulthood. Islam has not determined any particular time for Nikah. But it wants that there should not be any unnecessary delay therein after adulthood. To contain delay in Nikah, Islam teaches that one should keep from extravagance, and bring an end to sectarianism, and let higher education and poverty not be obstacles in the way of marriage.

This article discusses the causes for delay in Nikah and its negative impact on the society, and also suggests remedies to contain this trend.

Enjoining Virtue and Forbidding Vice - Individual Obligation or Collective Obligation: An Analysis of Islamic Traditions

Dr. Mohiuddin Ghazi
Editor, Zindagi-i-Nau Monthly, New Delhi
and Secretary Jamaat Islami Hind
mohiuddin.ghazi@gmail.com

There is difference of opinion among Islamic scholars on whether enjoining virtue and forbidding vice is an individual obligation or a collective one. The present article presents an analysis of selective history of this difference of opinion, which throws light on certain historical vicissitudes of this discussion. Followers of both the opinions have given reference to Ijma (consensus) in favour of their respective standpoints while the fact remains as to how a consensus could emerge on such a huge difference of opinion. From the research aspect, there is also a discussion that certain earlier scholars opined for its being an individual obligation, but later days exegetes made it a collective obligation. With reference to enjoining virtue and forbidding vice, one more thing to consider is when scholars point out the importance of this work, they lay so much emphasis thereon that it seems it should be an individual obligation; but when they describe it from jurisprudential point of view, they declare it as a collective obligation.

One important part of this article is with reference to Allama Farahi's critique on Allama Ibn Taimiyyah. This article makes us feel that the need for research on the subject of enjoining virtue and forbidding vice is still there.

Ideological Deviation: Forms, Causes and Remedy

Ml. Muhammad Sadir Nadwi
Member Idara-i-Tahqeeq-o-Tasneef-i-Islami, Aligarh
sadirnadwi@gmail.com

Deviation, notwithstanding in any form, is very detrimental to a society. It hollows out the roots of a society. At present the Muslim society is suffering from this malice. The new generation in particular is falling prey to ideological deviation. Main forms of deviation include blind following of the west, arbitrary elucidation of fair evidence of Shari'ah, reshaping the Deen as per the intent of wish-fulfillers in the name of moderate Islam, efforts to find amity between real religion and claimed religions, arbitrary elucidation of the Qur'an and Sunnah, etc.

To the ideologues and intellectuals, main causes of such ideological deviations include organised ideological aggression on the part of the west, materialistic structure of education system, lack of education and training on the Prophetic guidelines, and elucidation of the deen by Deen-unaware personalities. Teachers and reformers should keep in mind that the centre of criticism of Deen is this worldly life. Limiting the range of its elucidation to the life hereafter conceals the meaning and feasibility of its teachings.

It is evident with the teachings of the Holy Qur'an that the success of a person passing through a thorny valley or facing trials and tribulations lies in following the simple and straightforward way rather than wandering here and there, and undoubtedly this simple and straightforward way is the path laid down by the Last Messenger of Allah? which has the characteristic of moderation.

Along with highlighting the various forms of ideological deviation, the article pinpoints its causes and suggests remedial measures.

Iqbal and Modern Science of Discourse: Analytical Study of Its Thought and Doctrine

Dr. Waris Mazhari
Asst. Professor, Department of Islamic Studies,
Jamia Hamdard, New Delhi
w.mazhari@gmail.com

With his speeches published as Reconstruction of Religious Thought in Islam, Iqbal tried to build the edifice of modern science of discourse. Iqbal's work on modern science of discourse, from one point of view, is the extension and completion of works done in this field by Sir Syed and Shibli. However, from another point of view, Iqbal's work should be deemed as beginning of a new chapter in the study of modern science of discourse.

Iqbal was deeply concerned that the Islamic ideology, especially its science of discourse, is facing such grave challenges as are enough to shake the Islamic culture. Therefore, he formed a new framework of discourse based on modern philosophical treatises and scientific explorations, and on its basis tried to devise the principles of modern science of discourse so that along with asserting the possibility of religion, its fundamental realities might be proved.

Iqbal's thought and doctrine of his discourse paves the way for beginning of a new discussion on science of discourse. Iqbal was critical of ancient science of discourse

formed on the basis of Greek philosophy, the reason for which to him was that modern science and philosophy have rejected most of the doctrines of Greek philosophy. On the other hand, ancient philosophy and science of discourse was confrontational in nature. It doesn't provide inspiration for the power of action. To Iqbal, there is intuition in the rational approach of religious knowledge.

Iqbal's way of argumentation in the analysis of almost all important discussions is that attempt should be made to present philosophical treatises in consonance with the Qur'anic teachings. However, objections are being raised on Iqbal's thought and doctrine from many aspects. The biggest objection is that he has subjected religious truths to science and philosophical principles. But the concept of Iqbal is that science has gained fundamental importance in the elucidation of the truth of life and those of universal realities. It cannot be ignored. However, Iqbal is in no way willing to compromise with the metaphysical position of religion.

This article deals in detail with Iqbal's thought and doctrine of discourse, and analyses critiques directed to him in this regard so that the evaluation of his work on modern science of discourse may be made in a proper way.

Proceeding of Ijtima in Memory of Ml. Farooq Khan

Maulana Rubiad Khan Falahi
krubiad786@gmail.com

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami organized an Ijtima to mark the demise of Maulana Muhammad Farooq Khan, former President of Idara-i-Tahqeeq, on 16th August 2023.

Participating in that Ijtima, renowned dignitaries and scholars paid tribute to the Maulana, throwing light on the various aspects of his personality. This article presents proceedings of that Ijtima.

Report of 2-day National Seminar on Inter-Religious Marriages:Background and Objectives

Maulana Rubiad Khan Falahi

Islami Fiqh Academy (India) and Idara-e-Tahqeeq-o- Tasneef -e-Islami jointly organized a two-day national seminar on Inter-Religious Marriages:Background and Objectives on 25-26 September 2023. Besides the Inaugural and Concluding sessions, three academic sessions were organized, in which 22 papers were presented. This article presents a report of this seminar.

BOOK REVIEWS

1. Usool-e-Fiqh (Principles of Muslim Jurisprudenc), Ml.Muinuddin Khatak, Millat Publications,Srinagar, JK, 2023, Vol.1,Pages:432,Vol.2, Pages :400, Price: IRs.1250/-
   Reviewed by Ml. Mohammad sadir Nadwi

2. Bainul aqwami Taalluqat aur Mufakkirin-e-Islam (International Relations and Muslim Thinkers), Dr. Zafar darik Qasmi,Al-Balagh Publications,A.F.Enclave,Jamia Nagar, New Delhi, 2021,Pages:239,rice:IRs.350/-
   Reviewed by Ml.Anas Falahi Madani

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدّد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق، اسلام۔بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔امامِ انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیامِ امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو نئی دہلی۔۲۵

R.No. 38933/81
October-December-2023

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-9027445919
+91-9897746586

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کا علمی و فکری ترجمان

توسیع اشاعت مہم

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی
علی گڑھ

تحقیقات اسلامی کا اجرا 1982 میں ہوا۔ اب تک 168 شمارے تسلسل کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا مقصد عصری مسائل میں اسلامی نقطۂ نظر سے تحقیق کر کے نتائج بحث کو جدید علمی معیار کے مطابق دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کو عالمی سطح پر مقبولیت حاصل ہے اور علمی و تحقیقی مقالات میں اس کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ نیز اس کی قدر کے اعتراف میں ہندو پاک میں پی ایچ ڈی اور ایم فل کی سطح کے پندرہ سے زائد مقالات لکھے جا چکے ہیں۔

بحمد للہ مجلہ نے اپنی اشاعت کے 42 برس مکمل کر لیے ہیں۔ اس مناسبت سے توسیع اشاعت کی خصوصی مہم کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کے بہی خواہان اور سنجیدہ علمی و دینی کاموں سے دل چسپی رکھنے والے حضرات اسے لائبریریوں، ریسرچ سینٹرز اور علمی و فکری اداروں تک پہنچانے میں اپنا تعاون پیش کریں گے۔ آئیے، آج ہی خریدار بنیں اور دیگر احباب و مراکز کو بھی ہدیۃً پیش کریں۔

انفرادی خریدار: فی شمارہ: 75

سالانہ زر تعاون:
300 بذریعہ عام ڈاک، 400 بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک

پانچ سالہ ممبرشپ:
1200 بذریعہ عام ڈاک، 1600 بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک

لائف ٹائم ممبرشپ: 5000

ایجنسی

5 سے 20 کاپیوں تک کی خریداری پر 25٪ کی چھوٹ
20 سے 40 کاپیوں کی خریداری پر 30٪ کی چھوٹ
40 سے زائد کاپیوں کی خریداری پر 40٪ کی چھوٹ

اکاؤنٹ نمبر:

Tahqeeqat-e-Islami
Union Bank of India
Muslim University, Branch
A/C. No. 452201010029001
IFSC: UBIN0545228

خریدار بنیں

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، علی گڑھ، ۲۰۲۰۰۲

Contact: 9897746586   Email: Maktaba.itti@gmail.com